جامعہ امام محمد انور شاہ کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

محدثِ عصر

بانی

فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر

سید احمد خضر شاہ مسعودی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بیادگار: امام العصر حضرت علامہ سید محمد انور شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

جامعہ امام محمد انور شاہ کا علمی، دینی، ادبی ترجمان

ماہنامہ

محدثِ عصر

جون تا اگست ۲۰۱۶ء، جلد نمبر ۱۷، شمارہ نمبر ۸، سلسلہ نمبر ۱۷۲

بانی: فخر المحدثین حضرت مولانا سید انظر شاہ مسعودی کشمیری رحمہ اللہ

مدیر: سید احمد خضر شاہ مسعودی

شائع کردہ

جامعۃ الامام محمد انور شاہ دیوبند

عقب عیدگاہ، دیوبند 247554 (یوپی)

فون آفس: 01336-220471 فون وفیکس (مدیر) 01336-222471-223371

موبائل (مدیر): 09412496763-08006075484

ای۔میل: jimask94@gmail.com, ahmadanzarshah@gmail.com

اشتراک وتعاون

اندرون ملک:
فی شمارہ -/15 سالانہ -/150
خصوصی -/1000
تاحیات -/10000

بیرون ملک:
سالانہ: 20 امریکی ڈالر
خصوصی: 100 امریکی ڈالر
تاحیات: 500 امریکی ڈالر

Composed By: Huda Computers Deoband 09027322726

ورق در ورق

عصریات

سیّد احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری

اللہ اللہ! کس قدر خوش بختی ہے کہ ''غلامانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم'' جوق در جوق دیارِ قدس کو جارہے ہیں۔ سب کے ہونٹوں پر مسکراہٹیں ہیں۔ دل جذبات سے معمور۔ آنکھوں میں چمک اور سرور۔ پھر وہ ساعتیں بھی آئیں گی کہ کوچۂ شوق کے مسافر اپنی پرہوش دیوانگی کا مظاہرہ کریں گے۔ کبھی عرفات کا چکر، کبھی منیٰ کا سفر، گاہے مزدلفہ کا رخ، کبھی صفا مروہ کی دوڑ، پھر بیت اللہ کا طواف۔ ان اشغال و اعمال میں عازمین ایسے محو و مگن کہ سفر کی ساری کلفتیں، معمولات کی ساری صعوبتیں، وطن اور اربابِ وطن کی مہجوری کوئی رکاوٹ نہیں بنتی، یہ وہ مقامِ مبارک ہے کہ یہاں کانٹے بھی پھول جیسی دل کشی رکھتے ہیں۔ حرم مکی سے فراغت پاکر یہ حجاج اپنے آقا کے درِ اقدس پر حاضر ہوں گے۔ وہی آقا، جن کا نام اذانوں میں سنتے رہے، نمازوں میں پڑھتے رہے، اٹھتے بیٹھتے جن کے تذکرے سے مشامِ جاں معطر کرتے رہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فاطرِ ہستی اس امت کا کتنا ناز بردار ہے! اتنی ساری کوتاہیوں، غفلتوں اور خرمستیوں کے باوجود اپنی اولین بارگاہ میں بلارہا ہے۔ ان کی ضیافت کررہا ہے! انہیں گناہوں سے دھو رہا ہے۔ پیغمبر علیہ السلام کی سفارش واجب کررہا ہے۔ ان نعمتوں کی بھی اگر قدر شناسی نہ ہوسکی تو اسے ''حرماں نصیبی'' کے سوا اور کیا نام دیا جائے؟

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس شخص کا حج اس حال میں ہو کہ اس نے کوئی غلط کام دورانِ حج نہیں کیا تو اس کے سارے گناہ مٹادیئے جاتے ہیں۔ اللہ کرے کہ عازمین کرام کا حج اسی شان وعظمت والا ہو۔ مگر ایک بات بڑے ادب سے عرض ہے کہ جس جذبے کے ساتھ آپ نے حج کے معمولات انجام دیئے، وہی جذبہ حج کے بعد بھی باقی رکھیں۔ تاحینِ حیات۔ اگر یہ جذبہ تادمِ مرگ زندہ رہا اور عملی صورت میں اخیر دم تک برقرار رہا تو آپ کا حج مقبول اور محنت وصول ہے۔ انشاء اللہ۔

جن سعید ایام میں اہلِ توفیق حج کررہے ہوں گے، انہیں دنوں میں دوسرے مسلمان قربانی کریں گے۔ عید منائیں گے۔ اپنے رب کے حضور سجدۂ شکر ادا کریں گے۔

قربانی بھی عظیم عبادتوں میں ہے۔ حضورا کرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قربانی کے دنوں میں قربانی سے زیادہ کوئی عمل مقبول نہیں۔ ہر صاحب استطاعت پر یہ عبادت واجب ہے۔ ہر صاحبِ نصاب مسلمان دل کھول کر حصہ لے۔ حالات سے محتاط بھی رہے، کیوں کہ ہماری ذرا سی چوک ''آفتِ جاں'' بن سکتی ہے۔

❁❁❁❁

ہائے جنت نظیر کشمیر!! تباہیاں، بربادیاں، آہ وفغاں۔ جی ہاں! یہ ہمارا کشمیر ہے۔ ڈیڑھ ماہ سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا، کشمیر ہے کہ آتش کدہ بنا ہوا ہے۔ کرفیو لگا ہوا ہے۔ راستے بند ہیں۔ مظاہرین جان سے ہاتھ دھو رہے ہیں۔ ۷۰ رسے زیادہ لوگ اپنی جانیں گنوا بیٹھے۔ فوج نے اپنی بربریت سے ۶۰۰ رلوگوں کی بینائی ختم کردی۔ چالیس ہزار کشمیریوں کا کوئی سراغ نہیں۔ دس ہزار کشمیری ذہنی مریض ہو چکے ہیں۔ قیامت خیز حالات۔ زخمیوں کی کثرت سے ہسپتال بھی تنگ۔ دوائیں ندارد، عوام دانے دانے کو محتاج۔ سری نگر کی جامع مسجد میں جمعہ ادا نہیں ہو رہا۔ وحشت، بربریت۔ کسی کو درد کا احساس ہے؟ ۸ ر جولائی کو برہان وانی کی فوج کے ہاتھوں موت۔ فوج کے بقول یہ دہشت گرد تنظیم حزب المجاہدین کا کمانڈر تھا۔ بس کیا تھا، آتش فشاں پھٹ پڑا۔ نظام زندگی مفلوج۔ وادی کے اطراف واکناف میں دکانیں اور تجارتی مراکز مسلسل بند۔ سڑکوں پر آمدورفت بھی تعطل کا شکار۔ تمام سرکاری اور نجی تعلیمی ادارے بھی مقفل۔ احتجاجی قائدین نظر بندی سے گزر رہے ہیں یا جیلوں میں بند۔ کشمیر میں پی ڈی پی کی حکومت ہے، وہ کیا کر رہی ہے؟ بی جے پی اس حکومت کی معاون ہے، اس کا کردار کیا ہے؟ حیرت تو یہ ہے کہ وادی جہنم زار بن گئی، مرکزی حکومت بھی بیدار نہ ہوسکی۔ وزیر اعظم کی نگاہیں بلوچستان کی طرف تو اٹھ رہی ہیں، مگر اپنے گھر کی کوئی خبر نہیں۔ کانگریسی لیڈر غلام نبی آزاد نے صحیح کہا ہے کہ کشمیری مسلمانوں نے ٹو نیشن تھیوری کو رد کیا تھا، ہم تمام جماعتوں کو مل کر مسئلہ کشمیر کی جڑ میں جانا چاہئے۔

مرکزی حکومت بیدار تو ہوتی ہے، مگر اس وقت جب سب کچھ لٹ ہو چکا ہوتا ہے۔ خانماں بربادیاں۔ یہ بھی نہیں کہ مظلومین کی اشک شوئی کی جائے، بلکہ زخموں پر نمک اور درد میں اضافہ کی کوششیں، بُرا ہو سیاست کا، کہ ایسے موقع پر بھی یہ اپنی چال نہیں بھولتی۔ تضاد بیانیاں جاری ہیں۔ وزیر داخلہ کہتے ہیں کہ اس انتشار کا سبب پاکستان ہے، تو ارون جیٹلی کا فرمان کہ پتھر بازی کرنے والے ستیہ گرہی نہیں ہو سکتے، کبھی مودی کا نظریہ کہ بات چیت ہونی چاہئے، کانگریس نے سوال اٹھایا اور بجا اٹھایا کہ مذاکرات کس سے ہوں گے؟ مقامی لیڈروں کو پوچھا نہیں جا رہا تو افہام وتفہیم کس سے ہوگی؟ بس بیانات ہی بیانات ہیں، اور وہ بھی الٹے سیدھے، اوٹ پٹانگ۔ کشمیریوں کی بدحالی کہاں تک پہنچ گئی اس کا اندازہ اس سے لگانا چاہئے

کہ کشمیر کی اپوزیشن جماعت کا وفد پہلے صدر جمہوریہ سے ملا، بعد ازاں وزیر اعظم سے، اور اس فرمان کے ساتھ کہ مسئلہ کشمیر کا حل انتظامی طریقے سے نہیں، سیاسی طریقے سے نکالنا ہوگا۔ صورتِ حال اتنی بگڑ چکی کہ جس محبوبہ مفتی کو علیحدگی پسندوں کے تئیں نرم سمجھا جا رہا تھا، وہ خاموش ہیں اور جو نیشنل کانفرنس علیحدگی پسندوں سے دور رہا وہ علیحدگی پسندوں سے بھی بات کرنے کی اپیل کرتا ہوا نظر آ رہا ہے۔ صورتِ حال سنگین ہے۔ عوام میں اضطراب اور کشمکش ہے۔ فوج اتنے تشدد کے بعد بھی خود کو پریشان بتا رہی ہے۔ اس کے بقول اگر پلیٹ گن کا استعمال بند ہو گیا تو مزید ہلاکتوں کا خدشہ ہے۔ کیوں کہ عوام کے مشتعل ہو جانے پر فوج وہی کرے گی جو کرتی آئی ہے۔ یعنی مظاہرین پر گولیاں۔

ان حالات نے دوسروں کو بھی بولنے کے مواقع فراہم کر دیئے ہیں۔ ۵۷ مسلم ممالک پر مشتمل گروپ آرگنائزیشن آف اسلامک کوآپریشن بھی اس معاملے میں کود پڑا۔ اور صاف کہا ہے کہ ''کشمیر بھارت کا داخلی معاملہ نہیں۔ انٹرنیشنل کمیونٹی کو کشمیر کے معاملے میں دخل دینا چاہیے۔ کشمیر میں حالات سدھرنے کے بجائے بگڑتے جا رہے ہیں۔ یہ جلد از جلد بند ہو۔

خدا کرے کہ ہمارے حکمراں خوابِ غفلت سے بیدار ہوں اور کشمیر کی فضا کو پرامن بنانے کے لئے موثر تدبیر اور کارروائیاں کریں۔

❁❁❁❁

ملک بے چینی کے جس دور سے گزر رہا ہے، ایسا دیکھا نہیں گیا۔ انتشار، خلفشار، بدامنی، دل آزاری روزمرہ کا معمول ہے۔ داعش کے نام پر مسلم نوجوانوں کی گرفتاری، ''تحفظ گاؤ'' کے عنوان پر شر وفساد۔ مسلمانوں اور دلتوں کے خلاف جبر مسلسل۔ یہ ایک ایسی خوں چکاں داستان ہے کہ کلیجہ منھ کو آتا ہے۔ وطن کی بدنصیبی کہ تعمیری کام ہونے کے بجائے وہی تخریبیاں اور وہی سرکوبیاں۔ ''تحفظِ گاؤ'' کے زیر عنوان پچھلے کئی مہینوں سے دہشت گردی کا کھیل جاری ہے۔ گائے کے محافظین (گئو رکشک) محض شبہ کی بنیاد پر دھاوا بول دیتے ہیں۔ ان نام نہاد محافظین کے نشانے پر اکثر مسلمان رہے۔ دادری کے محمد اخلاق کے ساتھ جو کچھ ہوا اہلِ خبر اسے بھولے نہیں ہوں گے۔ پھر ایک فیشن چل پڑا، جہاں بھی گوشت نظر آیا، اسے گائے کا گوشت قرار دے کر ذمہ دار پر حملہ کر دیا۔ یہ سب ہوتا رہا، دیدہ دلیری کے ساتھ چلتا رہا۔ بھینسوں سے لدی گاڑیاں رکوا دی گئیں۔ مار دھاڑ خون خرابہ، بڑا گوشت مسلمانوں کے لئے دشوار ہوتا چلا گیا۔ مسلمان محتاط ہوئے تو گائے کے یہی محافظین لٹھ لے کر دوڑ پڑے۔ جم کر خبر لی۔ نریندر مودی کا جذبۂ خوابیدہ اب بیدار ہوا، پیمانۂ صبر چھلک گیا، کہنے لگے کہ گائے کے محافظین دلتوں کو نہیں، انہیں گولی ماریں، یہاں بھی وزیر اعظم کا

مسلم مخالف چہرہ سامنے آ گیا۔ مسلمان پر ہو رہے مظالم کے خلاف ان کی زبان کبھی نہ ہلی۔ دلتوں پر سختی کیا ہوئی، مودی آپے سے باہر ہو گئے۔ اب کہہ رہے ہیں کہ گائے کے یہ محافظین فرضی ہیں۔ ان کا مقصد حکومت کو بدنام کرنا ہے۔ یہ سماج دشمن عناصر ہیں۔

اس سخت بیان کا کوئی ردِعمل تا دمِ تحریر نہیں آیا۔ انتہا پسند تنظیموں کو اپنی گھناؤنی حرکت بری نہیں لگتی، مگر ملک کا وزیر اعظم ایک اچھی بات کہتا ہے تو یہ تنظیمیں آتش زیر پا ہو جاتی ہیں۔ ۲۲/اگست کو سورت شہر کے پنڈیسارا میں ٹیمپو ڈرائیور محمد الیاس پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ آور گائے کے محافظین تھے۔ ایسی ضربیں لگائیں کہ بے چارہ نیم مردہ ہو گیا۔ دونوں ہاتھ فریکچر ہو گئے۔ اس کا قصور اتنا تھا کہ وہ مویشیوں کی کھالیں اور ہڈیاں لے جا رہا تھا۔ سورت میونسپل کارپوریشن کے ساتھ معاہدے کے دستاویزات کو بھی ان دہشت گردوں نے اہمیت نہیں دی۔ انتہا پسندوں کے خلاف حکومت چوکس نہیں ہوئی تو بہانے بہانے سے گائے کے یہ محافظین اپنا شوقِ ستم گرماتے رہیں گے۔ اب تو چمڑے کا بیگ سفر میں رکھنا بھی خطرناک ہو گیا۔ یہ ظالم گائے کا چمڑا بتا کر اپنا ستم توڑیں گے۔ مرکزی حکومت ان مظالم پر کب تک خاموش رہے گی۔ کیا مودی حکومت کا پانچ سالہ دورانیہ انہیں مظالم میں گزرے گا؟؟

❁❁❁❁

ارشادِ قرآنی ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾ سے اصولِ معاشرت کی ایک اہم بات یہ معلوم ہوئی کہ رہن سہن، قیام و مقام میں بڑوں کو چاہیے کہ چھوٹوں سے الگ ممتاز ہو کر نہ رہیں، بلکہ مل جل کر رہیں، کہ اس میں باہمی اخوت و ہمدردی اور محبت و تعلق پیدا ہوتا ہے، اور امیر و غریب کی تفریق مٹتی ہے، مزدور و سرمایہ دار کی جنگ ختم ہو جاتی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آخری حج کے خطبے میں اس کو خوب واضح کر کے ارشاد فرمایا کہ کسی عربی کو عجمی پر، یا گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں، فضیلت کا مدار تقویٰ اور اطاعتِ خداوندی پر ہے، اسی لیے جو لوگ ان کے خلاف مزدلفہ میں قیام کر کے اپنی ممتاز حیثیت بنانا چاہتے تھے ان کے اس فعل کو گناہ قرار دے کر ان پر لازم کیا کہ اپنے اس گناہ سے توبہ و استغفار کریں، کہ اللہ تعالیٰ ان کی خطائیں معاف فرما دیں، اور اپنی رحمت فرما دیں۔ (معارف القرآن جلد ۱، ص ۴۸۹)

عیادتِ مریض

مولانا نسیم اختر شاہ قیصر
استاذ دارالعلوم وقف دیوبند

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ایک نمونہ ہے کل عالم کے لیے ایک مثال ہے، ان جیسی زندگی کا تصور عام انسانوں میں تو کیا ہی نہیں جا سکتا گروہِ انبیاء میں بھی وہ نادر و نایاب ہیں، اپنے اخلاق کے اعتبار سے، اپنے کردار کے اعتبار سے، اپنی محبوبیت اور مقبولیت کے اعتبار سے، اپنی نبوت اور شریعت کے اعتبار سے، خالقِ کائنات کے محبوب ہونے کے اعتبار سے ہر طبقۂ انسانی پر انھیں فوقیت حاصل ہے انسانیت جن کے دامنِ عفو میں اطمینان کی سانس لیتی ہے اور جن کے گھر سے آدمیت کی روشنی پھوٹتی ہے، جن کی ذات شرفِ کائنات ہے، ان کی حیات مبارکہ کے ہر لمحہ، ہر لحظہ کی کیفیات اور صحیح صورت ہمارے سامنے ہے وہ زندگی کیسے گزارتے تھے، ان کی صبح کیسی تھی، ان کا دن کیسا تھا، ان کی شام کیسی تھی اور ان کی رات کیسی تھی۔ ہر ساعت عبدیت اور بندگی کا اتنا جامع اور مکمل عنوان ہے کہ امت کے ہزاروں، کروڑوں ، اربوں لوگوں کی زندگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ زندگی کے سامنے کوئی معنی اور کوئی مفہوم نہیں رکھتی اس لیے کہ ان افراد امت میں جو علماء ہیں، جو صلحاء ہیں، جو بزرگانِ دین ہیں، جو اتقیاء ہیں، جو شب بیدار ہیں اور اللہ کے قرب کے جویا ہیں، وہ بھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے روشنی پا رہے اور کسبِ فیض کر رہے ہیں، پھر عام آدمی کا تو کیا سوال کہ اس کی زندگی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مقدسہ کے مماثل ہو یا اس کا ذکر کیا جائے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے حقوق انسانی کا اس قدر خیال فرمایا ہے کہ ماضی میں کسی بھی قوم اور امت میں وہ تعلیمات نہیں ملتیں تمام حقوق پر گفتگو ہم اس وقت نہیں کریں گے۔ صرف مریض کی عیادت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کو ذکر کریں گے جو عیادتِ مریض کے سلسلے میں آپ نے فرمائے۔ ایک مسلمان بیمار ہے، کسی مرض میں مبتلا ہے، صاحبِ فراش ہے، یا معمولی درجہ میں مرض کا شکار ہے۔ اس کو پوچھنا، اس کی عیادت کرنا، اس کی دلجوئی کرنا، تسلی دینا، کلماتِ خیر ادا کرنا، یہ اپنے اس مسلمان

بھائی کا حق ہے جو مریض ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جب کوئی صحابی بیمار ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے۔ کسی بھی دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے جاتے عیادت کے لیے کوئی دن خاص نہیں تھا بلکہ دن رات کے مختلف اوقات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیادت فرماتے۔ حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ مریض کے پاس شور وشغب نہ کرنا اور کم بیٹھنا بھی سنت ہے۔ (مشکوٰۃ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مریض کے قریب جاتے اور اس کے سرہانے بیٹھ کر اس کا حال دریافت کرتے اور پوچھتے طبیعت کیسی ہے، یہ بھی ہوتا کہ بیمار کی پیشانی اور نبض پر ہاتھ رکھتے اور اگر وہ کوئی چیز مانگتا تو اس کے لیے وہ چیز منگواتے اور فرماتے: مریض جو مانگے اس کو دو۔ اگر مضر نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مریض سے تسلی و ہمدردی کا معاملہ فرماتے حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ تو اس کی عمر کے بارے میں اس کے دل کو خوش کرو (یعنی اس کی عمر اور اس کی زندگی کے بارے میں اس کو خوش کرو) اس طرح کی باتیں کسی ہونے والی چیز کو روک تو نہ سکیں گی مگر اس کا دل خوش ہوگا اور یہی عیادت کا مقصد ہے''۔ (ترمذی شریف، ابن ماجہ شریف)

ہر مسلمان کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اگر وہ خوش حال ہے، بہترین حالات ہیں، آسانیاں اور سہولتیں اسے میسر ہیں اور اللہ نے ہر طرح کی نعمتوں سے اسے سرفراز فرمایا ہے تو وہ اتنا مست اور بے پرواہ نہ ہو جائے کہ اسے اپنے پریشان حال بھائی، تنگ دست عزیز، مجبور رشتہ دار، سختیوں کا شکار دوست اور کمزور پڑوسی کا بھی خیال نہ رہے وہ بھی نہ دیکھے کہ کس کو اس کی ضرورت ہے، کون اس کی طرف امید بھری نظروں سے دیکھ رہا ہے، کون اس سے مدد کا طالب ہے اور کس کی اشک شوئی کرنے کا یہ وقت ہے، بیماری بھی ایک آزمائش ہے جو مبتلا ہے وہی اس کی تکلیف اور شدت کو جانتا، زحمتوں سے گزرتا اور پھر علاج و معالجہ کی سختیوں کو محسوس کرتا ہے آپ صحت مند ہیں اپنے رب کا شکر بجا لایئے کہ اس نے آپ کو بیماری سے بچا رکھا ہے اور کسی معمولی یا خدانخواستہ بڑے مرض سے محفوظ رکھا ہے۔ یہ بیماری کسی کو بھی لگ سکتی ہے کوئی بھی اس دام میں آ سکتا ہے اور کسی کی بھی صحت متاثر ہو سکتی ہے۔ ایسے مریض کی خبر گیری اس کی دلجوئی اس کی عیادت آپ کا دینی فرض ہے اس لیے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے شب و روز اس کے گواہ اور اس کے شاہد ہیں، یہ سنتِ رسول ہے اس کو چھوڑیئے نہیں اس سے آپس میں تعلقات بڑھتے ہیں، گہرے اور مضبوط ہوتے ہیں، دوریاں سمٹتی ہیں اور فاصلے کم ہو جاتے ہیں اگر کسی مسلمان بھائی سے

آپ کا تعلق نہیں ہے وقتی طور پر حالات کشیدہ ہیں، تعلقات میں وہ گرمی اور جوش نہیں ہے تو اس موقع کو ضائع نہ کیجیے، پچھلی کوتاہیوں کا ازالہ کیجیے اور مستقبل کے لیے ایک اچھا راستہ منتخب کیجیے۔ جب آدمی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے تو اسے تلاش ہوتی ہے اپنوں کی اور جب اپنے اس کی خبر گیری کرتے ہیں تو نہ صرف اس کی تسلی ہوتی بلکہ اس کے دل میں اپنوں کی محبت اور گہری ہوتی اور تازگی پاتی ہے۔

اس اصول کو بھی ذہن نشین کر لیجیے کہ موت کے سوا کوئی اور چیز ایسی نہیں کہ جس میں دوسرا مبتلا ہو، آپ مبتلا نہ ہوں، موت تو سب کو آنی ہے اس سے کوئی بھاگ نہیں سکتا۔ غربت کے سائے آپ پر نہ پڑیں یہ ممکن ہے، آپ کا دسترخوان ہمیشہ سجا رہے اس کے بھی بھرپور امکانات ہیں۔ آپ کی زندگی کامیاب زندگی ہی رہے یہ بھی ہوسکتا ہے لیکن موت کے معاملہ میں تو سب برابر ہیں اس کے بعد تو آپ سے سوال ہوگا، پوچھا جائے گا کہ تمہارا بھائی بیمار تھا اس کی عیادت کیوں نہیں کی، اس کی دلجوئی کرنی چاہیے تھی کیوں نہیں کی؟ پھر یہ بھی کوئی لازمی چیز نہیں ہے کہ جس دشواری میں آپ کا بھائی گھرا ہوا ہے اس میں آپ نہ گھریں، دنیا ہے سب کچھ ممکن ہے، کچھ بھی ہوسکتا ہے، خوفِ خدا اور رضائے الٰہی کے جذباتِ فراواں کا اظہار کرتے ہوئے اپنے بھائی کی عیادت کیجیے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مریض کی عیادت کی جو فضیلت بیان کی ہے اس کو حاصل کیجیے۔ حضرت ثوبانؓ سے روایت ہے کہ:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندۂ مومن جب اپنے صاحبِ ایمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو واپس آنے تک گویا وہ جنت کے باغ میں ہوتا ہے'' (مسلم شریف)

حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں: جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جب تم کسی مریض کے پاس جاؤ یا کسی قریب المرگ شخص کے پاس جاؤ تو اس کے سامنے بھلائی کا کلمہ زبان سے نکالو کیوں جو تم کچھ کہتے ہو فرشتے اس پر آمین کہتے ہیں'' (مسلم ومشکوٰۃ شریف)

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ:

''رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم کسی مریض کی عیادت کے لیے جاؤ تو اس سے کہو کہ وہ تمہارے لیے دعا کرے اس کی دعا فرشتوں کی دعا کے مانند ہوتی ہے''۔ (ابن ماجہ شریف، مشکوٰۃ شریف)

❁❁❁❁

عالم اسلام پر مغرب کا تسلط
اسباب ونتائج

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

الحمدللہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علٰی سید المرسلین و خاتم النبیین محمد بن عبداللہ الامین، وعلی آلہ وصحبہ اجمعین، ومن تبعهم باحسان و دعا بدعوتهم الی یوم الدین، وبعد!

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد بن عبداللہ النبی الامی ﷺ کو آخری پیغمبر مقرر فرمانے کے ساتھ یہ بھی طے فرمادیا کہ انسانی دستورحیات اب مقامی اور محدود زمانی دائرہ تک محدود نہ رہتے ہوئے عالمی سطح کا اور دائمی و ابدی دستورحیات ہوگا، وہ اس طریقہ کی رو سے انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بدلتے رہنے والے حالات سے مطابقت بھی رکھے گا، اس کی بنیاد پر اس میں دو اہم خصوصیتیں پائی جاتی ہیں: ایک توسط و اعتدال کی خصوصیت، جس کی بنا پر وہ سب کے لئے قابل عمل ہے اور دوسری خصوصیت اس میں سہولت کا پہلو ہے تاکہ اس پر عمل کرنے میں دشواری نہ ہو اور یہ دونوں خصوصیتیں اس دستورحیات میں ایک طرف جامعیت پیدا کرنے والی اور دوسری طرف اس کے دوام کا ذریعہ بنیں اور اس جامعیت کی خاص بات یہ ہے کہ یہ دستور انسان کی دینی اور دنیاوی دونوں ضرورتوں کا حامل ہے، مثلاً یہی دیکھئے کہ قرآن کریم میں جو اس دستورحیات کا مصدر اول ہے، بنیادی ہدایات میں جگہ جگہ نماز اور غریبوں کی مدد کی تلقین ملتی ہے، نماز قائم کرو اور غریبوں کی مدد کرو، نماز یعنی اپنے رب کے لئے اپنی عبدیت کا اظہار اور زکوٰۃ یعنی غریب الحال کی مدد اور اس کی دنیاوی پریشانی کو دور کرنے کا اہتمام، ایک طرف اپنے رب کی رضا کے حصول کے لئے عبادتی عمل اور دوسری طرف انسانی ضرورت کے تقاضوں کا لحاظ اور اجازت، اس طرح اس میں اسلامی طریقۂ حیات کے مختلف پہلوؤں میں جو عبادتی ہوں یا معاشرتی ہوں، پروردگار عالم کی بندگی کے ساتھ دنیاوی زندگی کی ضرورتوں اور ضروری تقاضوں کے حل اختیار کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، جس کی

بنا پر شریعت اسلامی جس میں انسانی زندگی کے تقاضوں اور ضرورتوں کا پورا پورا لحاظ رکھا گیا ہے، نہایت اعلیٰ اور انسانی ضرورت کے لائق قانون حیات کی حیثیت کی مالک بن گئی ہے۔

لیکن انسان جب اعلیٰ سطح کی مخلوق ہونے کی اقدار کو اہمیت دیتا ہے تو اس دستور کے ذریعہ اعلیٰ مخلوق کے مقام بلند تک پہنچ جاتا ہے اور جب انسانی خصوصیات نہ رکھنے والی مخلوقات کے اندر پائی جانے والی عدم ذمہ داری اور نفسانیت تک محدود طرز زندگی کو اپنی سیرت کے لئے نمونہ سمجھ لیتا ہے تو زندگی کی پست ترین سطح پر اتر آتا ہے۔

حضور ﷺ سے قبل جو انبیاء آئے وہ عموماً علاقائی دائرہ کے اندر آئے اور بنی اسرائیل کے انبیاء عموماً بنی اسرائیل کے نسلی دائرہ کے اندر مبعوث ہوئے، غالباً وجہ یہ ہوئی کہ اس وقت دنیا کے مختلف علاقوں کے درمیان رابطہ کے وسائل نہ تھے، لیکن حضور ﷺ کے وقت سے دنیا میں علاقائی محدودیت ختم ہو کر عالمی سطح کا ربط عمل میں آنے لگا، اسلام کی فتوحات جزیرۃ العرب سے نکل کر ایک طرف مشرقی علاقوں تک پہنچیں اور اس طرح مختلف علاقوں، مختلف نسلوں اور مختلف تہذیبوں کو اس نے اپنے دائرہ میں لے لیا، اسی کے ساتھ پیام الٰہی، قرآن کریم کی حفاظت کا فیصلہ ہونے سے اسلامی دعوت میں امتداد زمانہ کے اثر سے بگاڑ کے حاوی ہونے کا خطرہ ویسا نہیں رہا جیسا پہلے تھا، ایک علاقہ یا ایک نسل میں امتدادِ زمانہ کے سبب اگر بگاڑ حاوی ہوا تو اس کی جگہ دوسری نسل اس کا بدل بنی اور اس نے اسلام کی اصلیت کو باقی رکھا، اس طرح اسلام ایک طرف عالمی پیمانہ اور دوسری طرف دائمی حیثیت کا مذہب ہونے میں کامیاب رہا، البتہ اس سے عناد اختیار کرنے والے بدلتے رہے، اول دور میں شرک کے علمبردار حلقے، پھر نبوی ہدایات سے منحرف یہودی حلقے، پھر عقیدۂ تثلیث کے شدت پسند حلقے اس کے دشمن بنے اور پھر یہ یہودی اور عیسائی دونوں کے متعصب حلقے آپسی تعاون کے ساتھ اور سازشی انداز سے اسلام کے مشترک دشمن بنے، ان کی سازشیں صہیونیت، سامراج، استشراق اور تخریبی تنظیموں کے تحت کام کرتی رہیں، ان سے بچاؤ اور اپنے دین کے دفاع کے لئے دشمنوں کے سازشی طریقوں کو جاننے کی ضرورت رہی اور یہ ضرورت برابر باقی ہے، اس کے لئے اہل دانش کو تصنیف و تحریر اور اس کے وسائل کے ذریعہ خدمت انجام دینے کی ضرورت برابر رہی ہے، اس کام میں اسلام کے اپنی اصلی حالت میں محفوظ رہنے کی جو ضمانت رب العالمین کی طرف سے ملی ہے اس سے بڑی مدد حاصل رہی، چنانچہ جو بھی کھلے ذہن، صاف دل اور تعصب سے بلند ہو کر اسلام کا مطالعہ کرتا ہے اور اس کی اصلی حالت سے واقف ہوتا ہے تو وہ اس کا ہمنوا ہو جاتا ہے جس کی مثالیں برابر سامنے آرہی ہیں۔

انسانی تاریخ میں انسانوں کی زندگی میں دو طرح کی خصوصیات برابر پائی جاتی رہی ہیں اور ان کے

درمیان کشمکش بھی جاری رہی ہے، اسی کے لحاظ سے یہ بات بھی سامنے آتی رہی ہے کہ اعلیٰ انسانی اقدار کے پسند کرنے والے پابند شریعت لوگ بھی ہوتے رہیں اور انسان کی خدمت کے لئے پیدا کی گئیں مخلوقات کی غیر ذمہ دارانہ اور صرف نفس پسند زندگی کی نقل کرنے والے جاہلیت کی تہذیب کے علم بردار بھی رہے ہیں اور دونوں طبقوں کے درمیان کشمکش برپا ہوتی رہی ہے۔ قرآن کریم میں اس طرح کے دونوں طبقوں کی طرف واضح اشارہ سورہ والتین میں دیکھا جاسکتا ہے۔ موجودہ عہد میں ان دونوں طبقات کے درمیان کشمکش اس صورت میں بہت بڑھ گئی ہے کہ مغربی انسان جاہلیت پسندی کی بناپر اپنی عقل اور علم کے اثر انگیز ذریعوں کو اس کشمکش کو بڑھانے اور اپنی برتری اور غلبہ کے حصول کے لئے استعمال کر رہا ہے۔ ایک مالی طاقت کا ذریعہ اور دوسرا ذریعہ میڈیا کی طاقت کا ہے، اس طرح وہ مال کے ذریعہ کم مائیگی کے شکار لوگوں کو اپنا تابع اور طرف دار بنا رہا ہے۔ دوسری طرف میڈیا کے ذریعہ لوگوں کے ذہنوں کو زندگی کے سرسبز باغوں کو خزاں گزیدہ اور از کار رفتہ دکھاتا ہے اور خارزار جنگلوں کو گداز اور راحت رساں ظاہر کرتا ہے اور اپنی عقلی مہارت سے اسلامی خوبیوں کو داغ دار بنا کے پیش کرتا ہے اور یہ بات ادھر کئی صدیوں سے بہت زور وشور سے چل رہی ہے اور اس نے اپنے طرزِ فکر کی درسگاہوں کے مستفیدین کے خاصے بڑے طبقہ کو متاثر بھی کر دیا ہے۔ مال اور وسائلِ طاقت والے لوگ استعماری راہ سے یہ کام انجام دیتے ہیں اور علم وعقل کے اصحاب استشراقی ذرائع سے یہ کام انجام دے رہے ہیں۔

اس تمام کشمکش کی وجہ یہ ہے یہ انسانی زندگی کا فکر وتصور جیسا ہوتا ہے اسی کے مطابق اثر انداز ہوتا ہے، کوئی بھی طریقۂ زندگی ہو وہ اپنی متعین فکر رکھتا ہے، وہ اسی فکر کے تحت عمل کرتا ہے، اسلامی فکر میں مسلمان دنیاوی زندگی کو ایک عبوری عہد سمجھتا ہے جس کے بعد اصل زندگی کا عہد حاصل ہونے پر یقین رکھتا ہے جو آخرت کا عہد کہلاتا ہے، دنیاوی زندی میں کئے گئے اعمال کے نتائج اس میں ظاہر ہوں گے، وفادار اسلام آخرت کے نتائج کو دنیاوی زندگی میں پیش آنے والے نتائج کے مقابلہ میں اولیت دیتا ہے، جب کہ مغربی فکر والا دنیاوی زندگی ہی کو سب کچھ مانتا ہے اور صرف اسی کے اعمال اور ان کے نتائج کو ہی تسلیم کرتا ہے اور آخرت کے تصور کو دنیاوی تصور کے لئے رکاوٹ مانتا ہے اور باعث ضرر سمجھتا ہے جب کہ اسلامی تصور آخرت کی فکر کے ساتھ ساتھ زندگی کے مناسب تقاضوں کو بھی تسلیم کرتا ہے اور ان کو ان کا جائز حق دینا صحیح سمجھتا ہے۔

اس طرح اسلامی تصور حیات مغربی تصور حیات سے زندگی کے جائز تقاضوں کی حد تک متفق اور اس کے انکار آخرت کے تصور کے برخلاف ہے اور مغرب کا لادینی تصور اس اختلاف کی بنا پر اسلامی تصور کے مخالف فکر کا حامل ہے اور آخرت کے تصور کو مٹانا چاہتا ہے۔

دونوں تصور ہائے حیات کا یہ اختلاف مغربی مفکرین کو اسلام کے خلاف جدوجہد پر لگائے ہوئے ہیں اور ان کی درس گاہوں میں تعلیم حاصل کرنے والوں اور ان کی علمی اور فکری مجلسوں میں شریک محفل ہونے والوں پر اثر انداز ہوتا رہا ہے اور ہو رہا ہے، لہٰذا ہمارے اسلامی الفکر دانشوروں کا فرض بنتا ہے کہ ہم اس کا مقابلہ کریں اور اس کے جو مضر اثرات ہیں ان کو دور کرنے کی کوشش کریں۔

خوشی کی بات ہے کہ اس کام کو الحمدللہ اصحاب ایمان اور ان کے مختلف اداروں کے ذریعہ انجام دینے کی کوشش شدہ شدہ ملتی ہے، اس وقت مذکورہ عنوان کے تحت ایک کتاب ہمارے ایک ذہین اور خصوصی مطالعہ سے حاصل کردہ صلاحیت کے حامل نوجوان استاد مولوی محمد وثیق ندوی کی طرف سے شائع ہو رہی ہے جس میں انہوں نے اچھے اور علمی انداز میں اس کام کو انجام دیا ہے، اس میں مسیحیت اور یہودیت کے حاملین کی عداوت وتعصب، عیسائی مشنری، سامراج، استشراق، ماسونیت اور عالمی صہیونیت کی شاطرانہ چالوں کو ظاہر کیا گیا ہے، اسلام مخالف افکار ونظریات کے خطرناک پہلوؤں اور مسلم دشمن تحریکوں کے عزائم اور منصوبوں پر روشنی ڈالی گئی ہے، اسلام اور مسلمانوں پر دہشت گردی، انتہاپسندی، بنیاد پرستی اور تشدد کے الزامات کا جواب دیتے ہوئے یورپ کے ظلم وسفاکی، بربریت ودرندگی، قتل وغارت گری، انتہاپسندی اور دہشت گردی کو حقائق وواقعات کی روشنی میں ثابت کیا گیا ہے اور اسلام کے روشن مستقبل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ درج ذیل اقتباسات سے اس کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

''درحقیقت یورپ کو خوف اسلام سے نہیں، اس کی موثر ورواداری انہ تعلیمات، تسخیری صلاحیت اور دلوں کو فتح کر لینے والی قوت سے ہے، تاریخ کے مطالعہ سے وہ مسلمانوں کے قرآن وسنت سے مضبوط تعلق، خدا اور رسول کی بے پناہ محبت، اسلامی تعلیمات پر ان کے اعتماد ویقین اور راہِ خدا میں جاں سپاری و جاں نثاری کے بے مثال جذبہ کا اندازہ لگا چکا ہے، اسے معلوم ہو گیا ہے کہ مسلمان اسلام کے تحفظ کی خاطر جان ومال، عزت ومتاع، ہر قسم کی قربانی پیش کر سکتے ہیں، لیکن اسکے دامن پر کوئی بدنما دھبا برداشت نہیں کر سکتے، اسلام کے عوض انہیں کوئی سودا منظور نہیں ہوگا۔''

لارینس براؤن Lawrence Braun کہتا ہے: ''جب تک مسلمانوں میں اختلاف رہے گا اس وقت تک ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی اور نہ ان کا کوئی وزن ہوگا، لہٰذا یہ ضروری ہے کہ عرب اور مسلمان ایک دوسرے سے الگ رہیں، ان میں اتحاد قائم نہ ہونے پائے تاکہ انہیں کوئی طاقت وقوت حاصل نہ ہو سکے اور دنیا کے نقشہ میں ان کی کوئی حیثیت نہ رہے۔''

پادری سائمن کہتا ہے: ''اسلامی وحدت ہی مسلمان قوموں کی آماج گاہ ہے اور اسی سے مسلمان

یورپین تسلط سے خلاصی حاصل کر سکتے ہیں، دوسری طرف عیسائی مشنری ہی اس وحدت کو پاش پاش کر سکتی ہے، لہٰذا ہمیں چاہئے کہ ہم عیسائی مشنری کے ذریعہ مسلمانوں کا رخ اسلامی وحدت سے پھیر دیں۔''

استشراق کے سامراجی رخ پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے: ''انیسویں صدی عیسوی کے اواخر میں استشراق نے سامراجی رخ اختیار کرلیا، بالفاظ دیگر استشراق نے منظم سامراجی نیٹ ورک کی حیثیت اختیار کرلی اور مغربی سامراج کا اہم بازو بن گیا اور امریکی بالادستی کے قیام میں اس علمی تحریک نے کلیدی رول ادا کیا، اسی وجہ سے امریکی یونیورسٹیاں مستشرقین کی فوج تیار کررہی ہیں۔ بعض معاصر مستشرقین اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنے تحقیقی مقالات (Thesis) کے ذریعہ موثر سیاسی رول ادا کررہے ہیں، ان میں سرفہرست امریکی یہودی مستشرق برنارڈ لوئس ہے، اسی نے تہذیبی ٹکراؤ کا نظریہ پیش کیا تھا جس کو امریکی مفکرین ہنگٹن Samuel P.Hungington نے رواج دیا اور امریکی سامراج کو اسلام اور مسلمانوں کو ختم کرنے کا مشورہ دیا۔''

''خاص طور سے امریکی استشراق، معاصر امریکی مستشرقین اسرائیل کے قیام سے لے کر آج تک عربی خطہ کے حالات پر خصوصی توجہ دے رہے ہیں، یہ مستشرقین اس خطہ میں امریکی سیاست کے تقاضوں اور ضروریات کے پیش نظر غور کر کے امریکی حکومت کو معلومات بہم پہنچاتے ہیں اور ان کی روشنی میں امریکی انتظامیہ اقدامات کرتی ہے، امریکی استشراق میں اسرائیل پر خصوصی توجہ دی جاتی ہے کیوں کہ خطہ میں اسرائیل امریکی عزائم کو بروئے کار لانے میں اہم رول ادا کررہا ہے۔''

''تلمود کے مطالعہ اور جائزہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تلمود کا بنیادی فلسفہ پوری نوع انسانی کو یہودیوں کی خدمت کے لئے مسخر کرنا، تمام تہذیبوں وثقافتوں کا خاتمہ اور دیگر صحف آسمانی کو منسوخ قرار دینا ہے، تاکہ انسانیت دشمن فلسفہ کو پوری زمین پر رائج کیا جاسکے اور مملکتِ اسرائیل کو تحفظ اور بقاء حاصل ہو سکے۔

تلمودی تعلیمات کے چند نمونے

''ہر یہودی پر لازم ہے کہ وہ اپنی قوم کے لئے اقتدار اور حکومت کو باقی رکھنے کے لئے دوسری تمام قوموں کو آگے بڑھنے سے روکے اور زمین پر قبضہ کرنے سے ان کو باز رکھے۔''

''جانور اور انسان کے درمیان وہی فرق ہے جو یہود اور غیر یہود میں فرق ہے۔''

''غیر یہودیوں میں سے نیک لوگوں کا قتل کرنا واجب ہے اور یہودی پر یہ حرام ہے کہ وہ کسی غیر یہودی کو تباہی سے بچائے یا کسی غار میں گرنے سے روکے، بلکہ اس کو چاہئے کہ جب وہ کسی غار میں گر جائے تو

اوپر سے مٹی ڈال کر اسے بند کر دے۔''

''کافروں میں سب سے زیادہ خطرناک مسیح اور اس کے متبعین ہیں۔''

''غیر یہودیوں کے ساتھ زنا جائز ہے خواہ وہ مرد ہوں یا عورتیں اور ایسا کرنے والے کو کوئی سزا نہیں ہوگی۔''

''جو یہودی خواب میں اپنی ماں کے ساتھ زنا کرتا ہے اسے حکمت ملتی ہے، جو اپنی مخطوبہ کے ساتھ منہ کالا کرتا ہے وہی پابند شریعت ہوتا ہے، جو خواب میں اپنی بہن کے ساتھ زنا کرتا ہے اسے عقل ودانائی کی روشنی ملتی ہے اور جو خواب میں اپنے کسی رشتہ دار کی بیوی سے زنا کرتا ہے اسے ابدی زندگی نصیب ہوتی ہے۔''

''یہودی خاتون کو کوئی حق نہیں کہ وہ اپنے شوہر کی اس بات کی شکایت کرے کہ وہ اس کے بستر پر زنا کرتا ہے۔''

''ہر یہودی پر لازم ہے کہ وہ دن میں تین مرتبہ عیسائیوں پر لعنت بھیجے اور ان کی ہلاکت وبربادی کی دعا کرے۔''

''نصرانیوں کے یسوع جہنم میں ہیں اور ان کی ماں مریم نے ان کو فوجی باندرا سے زنا کر کے جنا ہے۔''

''صہیونی اس کو ضروری قرار دیتے ہیں کہ عربوں اور مسلمانوں کو برائیوں میں غرق کر دیا جائے، اس مقصد کے لئے مسلم ملکوں میں فحاشی کے اڈے قائم کئے جاتے ہیں، عورتوں کو استعمال کرتے ہیں اور مسلم آبادیوں میں ایسے معلمین اور معلمات بھیجی جاتی ہیں جن کے ذہن فاسد ہوتے ہیں، یہ طلبہ کو بے راہ روی، اخلاقی وجنسی انارکی، بے حیائی اور اخلاق سوز حرکتوں پر آمادہ کرتے ہیں۔''

عیسائی مورخین اسٹیفن رنسیمان، گوستاؤلیبان، رابرٹ اور کاہن آبوس نے اعتراف کیا ہے کہ ''عیسائیوں نے بیت المقدس میں پناہ گزین مسلمانوں کا اس طرح قتل عام کیا کہ گھوڑوں کے پیر گھٹنوں تک خون میں ڈوب گئے، ریچرڈ نے عکا شہر میں ۲۷۰۰ مسلم قیدیوں کو قتل کر دیا، جن میں بچوں اور عورتوں کو بھی قتل کر دیا گیا، بلکہ وہ سرکوں پر گھوم گھوم کر مردوں، نوجوانوں، بچوں اور عورتوں کے پیٹ چاک کرتے تھے، ہر جگہ لاش ہی لاش نظر آتی تھی اور ہماری قوم کے سفاکوں نے تقریباً ایک لاکھ مسلمانوں کا قتل کر دیا۔''

عزیزم محمد وثیق ندوی نے ندوہ میں اپنے علمی سرپرستوں کی رہنمائی میں اس موضوع پر بہت اچھا مطالعہ کیا ہے اور پھر اس مطالعہ کو خوبی اور تفصیل کے ساتھ کتابی شکل میں پیش کیا ہے، وقت کی ضرورت کے پیش نظر ان کی یہ کوشش بہت لائق قدر ہے۔

میں تمام شائقین علم حضرات کو اس کتاب کے مطالعہ کی طرف توجہ دلاتا ہوں اور دعا ہے کہ یہ کتاب مفید سے مفید تر ثابت ہو۔ (آمین)

ھندوستان میں
مسلم حکمرانوں کی مذہبی رواداری

مولانا تنویر عالم حسامی، حیدرآباد

عہد ماضی سے مراد وہ دور ہے جس میں کہ اس ملک میں مسلمانوں کی حکومت رہی ہے، وہ یہاں آئے تو ان کو یہاں کے ایسے باشندوں سے سابقہ پڑا جو ان کے ہم مذہب اور ہم مشرب نہیں تھے، تو کیا مسلمانوں نے یہاں کی مختلف اقوام سے اختلافِ دین کی وجہ سے ہمیشہ تشدد کی راہ اختیار کی اور محض اقتدار کی خاطر خون ریزی اور غارت گری کی؟ یا برادرانِ وطن کے ساتھ فراخ دلی، رواداری، بے تعصبی اور کشادہ دلی کا بھی ثبوت دیا؟ اس سلسلے میں یہ کہنا تو درست نہیں ہوگا کہ مسلم افواج ہمیشہ پھول برساتی رہیں، اس کی فوج کے نیزوں سے کسی کو کاری زخم نہیں لگا، اس کے تلواروں سے خون نہیں بہا، اس کے ہلاکت خیز اسلحہ سے بربادی اور اس کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے غارت نہیں ہوئی، لڑائی بہرحال ہولناک اور خون ریز ہوا کرتی ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ خون ریز اور ہولناک لڑائیوں کے بعد اب عرب فاتحین کا سلوک مفتوحین کے ساتھ کیسا رہا؟ اس کا جواب پہلے ہم خود غیر مسلم حضرات کی تحریروں سے پیش کرتے ہیں کہ یہ حق کو ثابت کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ چنانچہ مشہور قلم کار ''جگت رائے'' اپنی کتاب ''پدمانندی پنچ دی سیکا'' میں اورنگ زیبؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

''یہاں اورنگ زیب بادشاہ کی حکومت ہے، جو کسی سے نہیں ڈرتا، اس کی حکومت میں مذہبی خیال کے لوگوں کو اپنے اپنے علاقے میں سے کسی قسم کا خوف نہیں، اس سے ظاہر ہے کہ ہر شخص اپنے مذہبی عقائد میں آزاد تھا۔'' (مذہبی رواداری: ۳/۱۷۷)

ڈاکٹر بینی پرشاد لکھتے ہیں: ''ہندوستان میں کسی حکومت کے مقبول ہونے کے لئے ایک ضروری شرط

یہ بھی ہے کہ اس کے باشندوں کو مذہبی فرائض انجام دینے اور عبادت کرنے میں آزادی ہو، ہندوستان کے مسلم حملہ آوروں نے مذہبی رواداری کی اہمیت کو بہت جلد محسوس کرلیا تھا اور اپنی حکمتِ عملی اسی کے مطابق بنائی۔''(ہسٹری آف جہانگیر:۸۸-۸۹)

پروفیسر بی این پانڈے نے ہندی اقوام کے درمیان ثقافتی اور جذباتی ہم آہنگی پیدا کرنے کی خاطر ایک موضوع کا انتخاب کیا، وہ یہ کہ'' تاریخ کا نصاب کیا ہو؟'' چنانچہ انہوں نے اس موضوع پر پارلیمنٹ میں ایک لمبی تقریر کی، جس کے کچھ حصے آپ کے سامنے پیش کئے جارہے ہیں۔

وہ کہتے ہیں:''بدقسمتی سے ہمارے اسکولوں اور کالجوں میں گذشتہ کئی نسلوں سے جو کتابیں پڑھائی جارہی ہیں وہ وہی ہیں جو یورپی مصنفوں کی لکھی ہوئی ہیں، جو ہماری قومی زندگی کے سرچشمہ کو آلودہ کئے ہوئے ہیں، ان کتابوں میں ایسے اختلاف پر زور دیا گیا ہے کہ ہندو مسلمان کس طرح ایک دوسرے کے خلاف تشدد آمیز رویہ اختیار کئے ہوئے تھے، ان تاریخوں میں یہ بھی دکھایا گیا کہ مسلمان ہندوؤں کے کلچر اور روایات کو تہس نہس کرنے میں مشغول رہے، ان کے مندروں اور محلوں کا انہدام کیا اور ان کے سامنے یہ خوفناک شرط پیش کرتے رہے کہ اسلام قبول کرو، ورنہ تلوار استعمال کی جائے گی، پھر یہ چیزیں زندگی کے اس زمانے میں پڑھائی جاتی ہیں جب ذہن پر کسی چیز کا گہرا اثر پڑ جاتا ہے، تو پھر اس کا دور ہونا مشکل ہوتا ہے، اس لئے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ ہندو مسلمان ایک دوسرے کو شک وشبہ کی نظروں سے دیکھنے کے عادی ہوگئے اور ان میں باہمی بے اعتمادی پیدا ہوگئی۔''(مسلمان حکمرانوں کی مذہبی رواداری: ۳/ ۱۳ ۳)

یہ حقیقت ہے کہ ہر زمانے میں سیاست کا ضروری جزء جنگ وجدال بھی رہا ہے اور میدانِ جنگ یا جنگ کے زمانے میں کیا کچھ نہیں ہوتا، بعض زیادتیوں کا سرزد ہونا کوئی بعید نہیں، انسان بہرحال غلطی کا پتلا ہے، اس سے بعض مظالم کا واقع ہونا عجب نہیں، لیکن یہ کسی طور مناسب نہیں کہ کسی ملک یا کسی دوسرے کی صرف خون ریزی اور ہولناکی کی داستان جمع کی جائے اور فریقین کے درمیان نفرت کا بیج بونے کے لئے حقائق سے قطع نظر بناوٹی اور دل آزار واقعات پیش کئے جائیں۔ یقینا آپ کو مسلم عہد کے ضرور ایسے مواد ملیں گے جن میں مہر ومحبت کی داستانیں، دل جوئی اور دل نوازی کی حکایتیں ہوں۔

محمد بن قاسم کی رواداری

اس بات سے کون شخص واقف نہیں ہوگا کہ سندھ کے وسیع وعریض علاقے میں سب سے پہلے محمد بن قاسم نے فاتحانہ قدم رکھا اور بعد کے مسلم حملہ آوروں کے لئے ہندوستان میں داخل ہونے کا دروازہ کھول

دیا۔مورخین لکھتے ہیں کہ جب وہ سیوستان سیسم کی طرف بڑھا تو راستے میں راجہ داہر کے ایک ماتحت حاکم کاکا کوتک نے اس کی اطاعت قبول کرلی،وہ مذہباً بدھشٹ تھا،جب اپنے ماتحت سرداروں اور معتمدوں کے ساتھ محمد بن قاسم نے اس سے پوچھا کہ اے ہندی امیر!تمہارے خلعت دینے کی کیا صورت ہے؟''کاکا'' نے جواب دیا خلعت پانے والے کو کرسی دی جاتی ہے،اس کو ریشم اور حریر کے ہندووضع کے کپڑے پہنائے جاتے ہیں اور سر پر پگڑی باندھی جاتی ہے۔محمد بن قاسم نے کاکا کو اسی طرح خلعت عطا کی۔(مسلم حکمرانوں کی مذہبی روداری:۱/۹)

برہمن آباد میں ایک بہت بڑا مندر تھا،لڑائی کے زمانے میں یہاں لوگوں کا آنا جانا بند ہوگیا تھا،فتح کے بعد بھی لوگ خوف کی وجہ سے یہاں نہیں آتے تھے،جس سے اس کی آمدنی ختم ہوگئی تھی،مندر کے برہمن اور مہنت فاقہ کرنے لگے۔ایک روز محمد بن قاسم کے دروازے پر آئے اور دعا کے لئے ہاتھ اٹھا کر کہا:''اے امیر عادل!آپ کو بقا حاصل ہو،ہم مندر کے پجاری ہیں،ہم کو اسی مندر سے روزی ملتی ہے، آپ نے سب پر رحم کیا،امید کہ آپ ہندوؤں کو حکم دیں گے کہ مندروں میں آکر اپنے معبودوں کو پرستش کریں گے،محمد بن قاسم نے یہ سب لکھ کر حجاج بن یوسف کو بھیجا،وہاں سے جواب آیا کہ:جب وہ ذمی ہوگئے ہیں تو ان کے جان و مال میں کسی طرح کا تصرف صحیح نہیں،ان کو اجازت دیدی جائے کہ وہ اپنے معبودوں کی عبادت کریں،مذہب کی پیروی میں کسی شخص پر جبر نہ کیا جائے تاکہ وہ اپنے گھر میں جس طرح چاہیں رہیں۔(مسلم حکمرانوں کی مذہبی رواداری:۱/۱۵-۱۶)

محمد بن تغلق کی رواداری

ہندوستان کے مسلم حکمرانوں میں ایک کامیاب بادشاہ محمد بن تغلق بھی گذرا ہے،جس نے عدل و انصاف کاایسا زبردست نمونہ پیش کیا کہ تاریخ ہند میں اس کی مثالیں کم ہی ملیں گی،حکومت کے بڑے سے بڑے عہدیدار،یہاں تک کہ خود سلطان کے خلاف مقدمہ دائر کرنے کی عام اجازت تھی۔چنانچہ ایک بار ایک غیر مسلم نے دعویٰ کیا کہ سلطان نے اس کے بھائی کو بلاوجہ قتل کرادیا ہے۔سلطان بھی عام ملزموں کی طرح عدالت میں حاضر ہوا،قاضی نے فیصلہ کیا کہ سلطان کا جرم ثابت ہے،مقتول کے ورثہ کو یا تو خون بہادے کر راضی کرے ورنہ قصاص لیا جائے گا۔سلطان نے خون بہادے کر ورثاء کو راضی کرلیا،جب جاکر جان چھوٹی۔(آئینہ تاریخ:۱/۱۳)

قطب الدین کا امان دینا

۵۸۵ھ میں قطب نے دہلی پر حملہ کیا اور اس شہر کا محاصرہ کر لیا، جب قلعہ سے باہر لڑائی کی ابتداء ہوئی تو ہندو راجپوتوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا، فریقین میں زبردست معرکہ آرائی ہوئی، بالآخر ہندوؤں کو شکست ہوئی اور بھاگتے ہوئے قلعہ میں محصور ہو گئے۔ قطب الدین نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا اور جوں جوں وقت گذرتا جاتا تھا وہ محاصرہ کی شدت میں اضافہ کرتے جاتے، ہندوؤں نے جب یہ عالم دیکھا تو انہوں نے طرح طرح کی تکلیفوں سے تنگ آ کر قطب الدین سے امان طلب کی اور قلعہ اس کے حوالے کر دیا۔ (تاریخ فرشتہ، مقالہ دوم: ۲۳۳)

سلطان محمود غزنوی کا عدل

سلطان محمود غزنوی کا چھوٹا بھائی امیر نصر جو خراسان کا امیر تھا، سلطان کے پاس اقامت کے دوران ایک واقعہ پیش آیا کہ زین خانہ سے ایک روز جواہرات سے مرصع لگام چوری ہو گئی، جب چوری پکڑی گئی تو چور ایک ہندو رکاب دار تھا، امیر نصر نے حکم دیا اس کو باندھ کر بیس کوڑے لگائے جائیں، پرچہ نویسوں نے سلطان کی خدمت میں ایک پرچہ پیش کیا، سلطان نے پڑھا تو اس کو بہت رنج ہوا اور سخت غصہ ہوا، کیوں کہ اس نے بادشاہ کی موجودگی میں غلام کو سزا دی، جس کا وہ اہل نہیں تھا۔ (ہندوستان کی بزم رفتہ کی سچائی کہانیاں، حصہ اول: ۵)

بلبن کا انصاف اور حق پرستی

جس طرح بلبن دربار کے آداب اور قواعد وغیرہ کا خیال رکھتا تھا، اسی طرح انصاف اور حق پرستی کو بھی پوری طرح مدنظر رکھتا تھا، کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ جامدار نامی شخص کے بیٹے ملک نعیق نے جو شاہی امراء میں تھا وہ چار ہزار سواروں کا مالک اور صوبہ دار تھا، ایک فراش کو اس قدر مارا اور درّے لگائے کہ بے چارہ مر گیا، تو اس فراش کی بیوہ فریاد لے کر بلبن کے پاس آئی، بلبن نے تمام واقعہ سننے کے بعد حکم دیا کہ ملک نعیق کو بھی اتنے درّے لگائے جائیں تا کہ اس کا حشر بھی ویسا ہی ہو، بلبن کے حکم کی تعمیل کی گئی، بالآخر جب اس کی روح پرواز کر گئی تو اس کی لاش شہر کے دروازے پر لٹکا دی گئی۔ (تاریخ فرشتہ، مقالہ دوم: ۲۸۱)

بابر کا عدل

بابر کی فوج کوچ کرتی تو اس کی کوشش ہوتی تھی کہ جو علاقے اس کے تصرف میں آچکے ہیں وہاں کے

لوگوں کو کوئی نقصان نہ پہنچے، اگر وہ کوئی ظلم وستم کرتی تو پوری سزا دیتا، مثلاً ۹۲۵ھ ۱۵۱۹ء میں اس کی فوج بھیرہ میں داخل ہوئی تو وہ لکھتا ہے کہ لوگوں نے عرض کیا کہ کچھ سپاہیوں نے بھیرہ والوں کو ستایا اوران پر دست درازی کی، فوراً ان سپاہیوں کو گرفتار کر کے بعض کو سزائے موت کا حکم دیا (جو مستحق تھے) اور بعض کی ٹانگیں کٹوا کر تشہیر کرایا۔ (تزک بابری اردو ترجمہ: ۲۲۷)

شیر شاہ کی امداد

جب مالدیو کے ایک ہندو راجہ نے مالدیو اوراس کے مضافاتی علاقوں پر چڑھائی کی اور سابق راجاؤں کو بےدخل کر دیا تو مظلوم راجاؤں نے موقع پا کر شیر شاہ سے پناہ مانگی اوران راجاؤں نے مالدیو کے افسروں اور سرداروں کی طرف سے شیر شاہ کے نام ہندی زبان میں خطوط بھی لکھے، جن کا مضمون یہ تھا: ''ہم لوگ مجبوراً مالدیو کی اطاعت کر رہے ہیں اور ہم نے کسی غیبی امداد کے بھروسے پر راجہ کے ظلم وستم برداشت کئے، خدا کا شکر ہے کہ آپ جیسا بادشاہ اس ملک پر حملہ آور ہوا ہے تا کہ اس ظالم سے ہمارے بدلے لے، ہم وعدہ کرتے ہیں کہ جس وقت آپ کی فوج یہاں پہنچ جائے گی ہم مالدیو سے علیحدہ ہو کر آپ کی مدد کریں گے۔'' ان خطوط کے مضمون کے مطابق شیر شاہ کا جواب بھی بادشاہ کی طرف اسی طرح لکھا گیا کہ:

''اگر خدا نے چاہا تو میں مالدیو کو شکست دے کر تمہاری دادرسی کروں گا اور تمہارے موروثی علاقے دے کر تمہارے مراتب بلند کروں گا، تم لوگوں کو چاہئے کہ صبر وسکون کے ساتھ میرا ساتھ دو۔'' (تاریخ فرشتہ، مقالہ دوم، ص ۶۴۳-۶۴۴)

شیر شاہ کے دور میں ہر سرائے میں دو دروازے تھے، ایک دروازے پر پکا ہوا کھانا وجنس وغلہ وغیرہ مسلمانوں کو اور دوسرے پر اسی طرح ہندوؤں کو تقسیم کیا جاتا تھا تا کہ مسافروں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ (تاریخ فرشتہ، مقالہ دوم، ۶۴۵)

زین العابدین کی رواداری

مسلم حکمرانوں میں ایک نام کشمیر کے سلطان زین العابدین (بڈشاہ) کا بھی آیا ہے، اس نے سکندر کے زمانے میں بربادشدہ مندروں کی پھر سے مرمت اور تعمیر کی اجازت دی، بلکہ کچھ تو اس نے خود مرمت اور تعمیر کرایا اوراس نے برہمنوں کو ایسی زمین دی جس کا لگان معاف تھا اور مندروں کے لئے زمین وقف کی اور راجاؤں کے عہد میں دی جانے والی امداد کو جاری کیا، مثلاً رین وادی (سری نگر میں ہندو راجاؤں کے عہد میں تعمیر شدہ ایک بڑی عمارت تھی) جہاں وادی کشمیر میں مختلف مقدس مقامات کی یاترا کے لئے آنے

والے بیرونی مسافروں کو مفت کھانا ملتا تھا، زین العابدین نے اس میں جو وقف کیا تھا، اس کو بڑھادیا اور ایک دوسری عمارت باہر سے آنے والے یاتریوں اور مسافروں کے قیام کے لئے تعمیر کرائی۔(کشمیر-سلاطین کے عہد میں:۱۲۳)

جہانگیر کی رواداری

جہانگیر نے بھی ہندو ارباب کمال کی قدردانی میں کمی نہیں کی، اس کے زمانہ میں ''جدروپ گوسائیں'' ایک مشہور پنڈت تھا، جہانگیر خود اس کی ملاقات کو جاتا تھا اور گھنٹوں اس کے پاس بیٹھتا تھا، رائے منوہر لال ولدلون کرن جہانگیر کے زیر سایہ تعلیم وتربیت پاکر جوان ہوا، فارسی شاعری اور خوش خطی میں خاص سلیقہ رکھتا تھا، اس کے دربار کا مشہور نقاش بشن داس تھا، جس کو اس نے ایران بھیجا تھا۔''(ہندوستان کے مسلمان کے حکمرانوں کے عہد کی تمدنی کارنامے:۲۳۳-۲۳۴)

داراشکوہ کی دلچسپی ہندوؤں کے علوم وفنون سے

داراشکوہ خود ہندوؤں کے علوم وفنون میں کمال رکھتا تھا، اس کا دربار ہندو فضلاء سے بھرا ہوا تھا، اس کے دربار کا نامور شاعر جس کو ملک الشعراء کہنا چاہئے چندر بھان برہمن تھا۔(ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد کے تمدنی کارنامے:۲۳۴)

شاہ جہاں کی ہندو شعراء کی حوصلہ افزائی

شاہ جہاں بھی اکبر وجہانگیر کی طرح اہل کمال ہندوؤں کی برابر سرپرستی کرتا رہا، ۱۰۶۱ھ میں ایک ہندو شاعر نے اس کے نام پر ایک گیت کہا تو اس کو دو ہزار روپئے اور ایک ہاتھی مرحمت کیا۔(منتخب اللباب:۱/۷۰۶)

ایک باریمین الدولہ نے ترہٹ کے دو برہمنوں کو دربار میں پیش کر کے عرض کیا کہ یہ دونوں دس ہندی کتھائیں جو دس شاعروں نے تازہ کہی ہوں اور کسی نے نہ سنی ہوں ایک بار سن کر یاد کر لیتے ہیں اور اسی وزن اور مضمون میں دس اشعار فی البدیہہ کہہ دیتے ہیں، امتحان ہوا تو سچ ثابت ہوا، شاہ جہاں نے دونوں کو خلعت اور ہزار روپئے انعام دیئے۔(بادشاہ نامہ:۱/۲۶۹، بحوالہ بزمِ تیموریہ:۲/۲۳۴-۲۳۷)

عالمگیر کی رواداری

عالمگیر کی سرپرستی نہ صرف مسلمان فضلاء، شعراء تک محدود ہے بلکہ انہوں نے ہندو اہل علم وکمال کو بھی اپنا رہین منت بنایا، ہندی کا مشہور رمزیہ نگار شاعر بیرداس اور بھوشن کوی کا بھائی جنتامنی کوی اورنگزیب ہی

کی سایۂ عاطفت میں بڑھے، بھوشن کوی اپنی، ہسٹری آف لٹریچر میں لکھتا ہے کہ ’’سخت گیر اورنگ زیب ہندوؤں کے فنون اور علوم کا دلدادہ نہ تھا، لیکن ہندو شعراء اورنگ زیب کی اعانت اور سرپرستی سے قطعاً محروم نہیں رہے، بہت سے شاعر اورنگ زیب اور اس کے بیٹے بہادر شاہ کے دربار سے وابستہ رہے۔‘‘

اسی حقیقت کو علامہ شبلیؒ اس طرح واضح کرتے ہیں: ’’عام خیال یہ ہے کہ اورنگ زیب ہندوؤں کے علوم اور زبان سے نہایت نفرت رکھتا تھا، لیکن مسلمانوں نے بھاشا زبان پر جس قدر اس کے زمانہ میں توجہ کی پہلے نہیں کی تھی۔‘‘ (مقالات شبلی ۲/ ۵۸، بحوالہ بزم تیموریہ: ۸۰)

اورنگ زیب اپنے فرائض سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہیں رہا اور جب کبھی بھی اسے موقع ملا، اس نے ہندوؤں کی سفارش کی، چنانچہ جب دکن کے انتظامات کے سلسلے میں ایلیچور کی دیوانی کے لئے ایک لائق افسر کی ضرورت ہوئی تو اورنگ زیب نے راؤ کرن نام کے ایک راجپوت افسر کی سفارش کی، لیکن شاہ جہاں نے اسے نامنظور کر دیا۔ (مقدمہ واقعاتِ عالمگیری، ۲۴۱)

اس عہد میں ہندوؤں کے علوم وفنون کو فارسی زبان میں منتقل کرنے کی جو کوششیں کی گئیں وہ عالمگیر کو بدنام کرنے والے اصحاب اور مورخوں کے لئے باعثِ عبرت ہیں۔ (بزم تیموریہ: ۸۱)

حیدر علی کی رواداری

سلطنت میسور کے پہلے مسلم فرماں روا حیدر علی جب بھی کسی نئے علاقے کو فتح کر کے سلطنت میسور میں شامل کرتے تو وہاں کے عوام کو بغاوت سے دور رکھنے کے لئے وہ ان کے یہاں مروج قوانین و روایات میں تبدیلی سے گریز کرتے، ہندوؤں کو اپنے مذہب پر عمل کی آزادی تھی، یہاں تک کہ میسور کا اقتدار سنبھالنے کے بعد وہاں چلے آرہے سکوں پر ہندو دیوی دیوتاؤں کی تصویروں کو بحال رکھا، تاکہ ہندوؤں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس نہ پہنچے۔ (سیرتِ سلطان ٹیپو: ۱۴۸)

حیدر علی مذہبی مقامات، مندروں و مساجد کی حفاظت اور اس کی آمدنی کے لئے ذرائع پیدا کرتا (سیرت سلطان ٹیپو: ۱۵)

مالابار میں چوں کہ نائر اکثریت میں تھے، اس لئے وہ اقلیتوں یعنی مسلمانوں پر ظلم وستم بھی کرتے تھے، جس کی وجہ سے یہاں کے مسلمانوں نے ان سے تنگ آکر ۱۷۶۵ء میں حیدر علی سے اس سلسلے میں نائروں کے خلاف فوجی مدد طلب کی، حیدر علی نے امیر البحر کو علاقے پر لشکر کشی کے لئے روانہ کیا، امیر البحر نے نائروں کے علاقہ پر حملہ کر دیا اور بحر ہند میں واقع جزائر مالدیپ پر قبضہ کر کے اور اس کے راجہ کو گرفتار

کر کے اس کی آنکھیں نکلوادیں، حیدر علی کو امیر البحر کی ادا پسند نہیں آئی اور اس غیر انسانی اور نازیبا حرکت سے ناراض ہو کر امیر البحر کو عہدہ سے معزول کر دیا اور خود راجہ سے اس پر معافی بھی مانگی اور اس کی تلافی کے لئے راجہ کو ایک بڑی جاگیر بھی دی۔ (سیرت سلطان ٹیپو شہید: ۱۲۰-۲۱)

ٹیپو کے عہد میں اعلیٰ مناصب پر ہندو افسران

ہندو برہمن پورنیا پنڈت پوری سلطنت خداداد کا وزیر خزانہ اور اختیارات کے اعتبار سے وزیر اعظم میر صادق کے بعد ٹیپو سلطان کا نائب دوم تھا، یہ اردو فارسی کا قادر الکلام شاعر بھی تھا، ہمیشہ سلطان کے ساتھ رہتا، حتی کہ میدانِ جنگ میں بھی شاہی کیمپ ہی میں قیام ہوتا تھا، فارسی میں بادشاہوں کے نام ٹیپو کی طرف سے اکثر خطوط وہی تیار کرتا تھا، شاہِ ایران کے نام سلطان کے طویل فارسی مراسلہ کا مسودہ بھی اسی نے تیار کیا تھا، اس کے علاوہ ہری سنگھ میسور کی سوار فوج کا افسر اعلیٰ تھا، اس کا بھائی نرسنگا راؤ بھی حکومت کا ایک اعلیٰ عہدیدار تھا، کورگ کا فوجدار ایک برہمن تھا، سری نواس راؤ اپاجی راما راؤ کو عام طور پر ٹیپو اپنا نمائندہ بنا کر سفارتی مشن پر بھیجا کرتا تھا، راما راؤ ایک سودستہ کا کمانڈر تھا، ملیبار میں نائروں کی بغاوت کو کچلنے کے لئے سلطان نے سری پت راؤ کو بھیجا تھا، ایک دوسرے مرہٹہ سردار کی کمان میں تین ہزار سپاہیوں کی ایک مستقل فوج بھی رہتی تھی۔ (سیرتِ سلطان ٹیپو شہید: ۴۳۴)

مندروں اور اس کے سوامیوں کا احترام

سلطان ٹیپو کے دل میں ہندوؤں کے مندروں اور اس کے سوامیوں کا بڑا احترام تھا، ۱۷۹۱ء میں مرہٹہ دراندازوں نے رگھوناتھ راؤ کی قیادت میں سلطنت خداداد پر حملہ کے دوران سرنگیری کے ایک مندر کی بے حرمتی کی، اس کی قیمتی املاک کو لوٹ لیا، سونے سے بنی قیمتی پالکی اور جانوروں وغیرہ کو بھی لوٹ لیا گیا، سارداد یوی نام کی مورتی کو اس جگہ سے اٹھا کر باہر پھینک دیا، بہت سے برہمنوں کو بھی اس حملہ میں پکڑ کر تنگ کیا گیا، یہاں تک کہ مندر کے سوامی اور متولی شنکر گرو آچاریہ وہاں سے بھاگ کر قریب کے شہر اکرکل میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے، وہاں ٹیپو کی طرف سے جو خط شنکر گرو اچاریہ کو موصول ہوا وہ خط میسور کے محکمہ آثار قدیمہ میں ملا تھا، خط کا مضمون کچھ یوں ہے: ''جو لوگ مندر کے سوامیوں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں وہ خود اپنی نسل کی تباہی کو دعوت دیتے ہیں، سلطنت کی بقا و حفاظت اور دشمنوں کی ہلاکت کے لئے دعا کیجئے، آپ کو حسب ضرورت ہمارے زیر قبضہ دیہاتوں سے کسی بھی چیز کے لینے کا اختیار ہے، اسی خط کے ساتھ اس علاقے کے گورنر کو سلطان نے لکھا کہ سرکاری مصارف پر سارداد یوی کے نام کی مورتی کو احترام کے

ساتھ دوبارہ اس کی جگہ نصب کرے۔(سیرت سلطان ٹیپو شہید:۲۵-۴۳۶)

مندروں کے نذرانے

تعلقہ نجن گڑھ کے ایک گاؤں کلالے کے لکشمی کانت مندر میں چاندی کے چار پیالے، ایک پلیٹ اور ایک اگال دان اب بھی موجود ہیں، جو ٹیپو نے اس مندر کو نذر کئے تھے، اس شہر کی سری گنیشو ر مندر کو سلطان نے ایک ایسا مرصع پیالہ بھی دیا تھا کہ جس کے نچلے حصہ میں پانچ قیمتی جواہرات جڑے ہوئے تھے، میل کوٹ کے نارائن سوامی مندر کو بھی قیمتی جواہرات، چاندی سے جڑے کچھ برتن، ایک نقارہ اور بارہ ہاتھی اس نے روانہ کئے تھے۔ خود سری رنگا پٹنم کے رنگناتھ مندر میں ایک کافور دان اور چاندی کے سات پیالے اس کے دیے ہوئے اب بھی موجود ہیں، ڈنڈیگل کے قلعہ پر جب سلطانی افواج نے حملہ کیا تو اس نے حکم دیا کہ چوں کہ اس کے سامنے راجہ کا مندر موجود ہے، اس لئے پیچھے سے گولہ باری کی جائے۔ ۱۷۸۰ء میں نواب حیدر علی نے کانچی پورم میں ایک مندر کی بنیاد رکھی تھی، لیکن وہ اس کو مکمل نہیں کر سکا تھا، ۱۷۹۱ء میں جب ٹیپو وہاں گیا تو اس نے مندر کی تکمیل کے لئے اپنی طرف سے دس ہزار روپئے کا عطیہ دیا۔(سیرت سلطان ٹیپو شہید:۴۲۸)

ہندوستان میں مسلم حکمرانوں کی رواداری کے یہ چند بکھرے ہوئے نمونے ہیں، جن سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلم حکمراں ہندوؤں کے مذہبی جذبات کی کس قدر رعایت کرتے تھے اور ان پر کس درجہ اعتماد کر کے بڑے بڑے عہدے و مناصب دیا کرتے تھے، جو لوگ مسلم حکمرانوں کو متعصب، شدت پسند اور بے رحمت گردانتے ہیں در حقیقت وہ خود تعصب کی عینک لگا کر مسلمانوں کی تاریخ کو پیش کرنے کی سعی نامسعود کرتے ہیں۔

اہل قلم حضرات سے گذارش

اہل قلم حضرات سے گذارش ہے کہ ماہنامہ ''محدثِ عصر'' کی تابناک روایات کو مدِنظر رکھتے ہوئے اپنے مضامین خوش خط، باحوالہ اور جامعیت پر مشتمل بھیجیں، مضامین زیادہ سے زیادہ پانچ صفحات پر مشتمل ہوں، زیادہ طویل مضامین قریبی شمارے میں اشاعت پذیر نہ ہو سکیں گے۔ کوشش اس بات کی ہو کہ زبان معیاری ہونے کے ساتھ سادہ ہو، تا کہ عام قارئین کے لیے استفادہ آسان رہے۔

ڈاکٹر اقبال پر مرزائیوں کا الزام

مولانا احمد سعید قاسمی لولابی، سرینگر، کشمیر

مرزائیوں کا دجل وفریب اور جھوٹ وحقائق کا توڑ مروڑ کر کے پیش کرنا مشہور ہے لیکن کبھی وہ ''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا'' لینے سے بھی نہیں چوکتے ہیں۔ چند سالوں سے وہ اپنے زرخرید ایجنٹوں کے ذریعہ لندن میں بٹھائے گئے ایک شخص انور شیخ وغیرہ کے ذریعہ عالمی جرائد میں علامہ اقبال کے متعلق مرزائی ہونے کے متعلق مضامین شائع کروا کے جدید تعلیم یافتہ طبقے کو جھانسہ دینے کی کوشش کر رہے ہیں۔ حالانکہ علامہ موصوف کے متعلق واقف کار لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ ایک سچے پکے مسلمان اور عاشق رسول تھے۔ انہوں نے اپنے پرسوز کلام میں اسلام اور ربانی اسلام کے متعلق جن احساسات اور جذبات کا اظہار کیا ہے اس میں ذرہ بھر بھی اس بات کا احساس نہیں ہوتا ہے کہ وہ اسلام کی موجودہ پوزیشن سے مایوسی کا شکار ہو کر دین کی تشکیل وتربیت کے لئے کسی نئے نبی کے آنے کی ضرورت کو محسوس کرتے۔ وہ علمی استدلال جس کو عرف عام میں علم کلام کہا جاتا ہے اس میں تشکیل نو کے اندر علمی استدلال کے طریقہ کار میں کافی تبدیلی آچکی ہے، میری تمنا ہے کہ میں کسی معتمد عالم دین کے ساتھ مل کر یہ کام کروں۔ آپ کا علمی مقام بہت بلند ہے قدیم وجدید علوم پر آپ کی گہری نظر ہے میں بھی مغربی فکر ونظر سے کافی حد تک واقف ہوں آپ اگر لاہور میں قیام فرمائیں گے تو ہم دونوں مل کر اس کام کو بخوبی انجام دے سکتے ہیں۔

مسلمانوں کی زبوں حالی اور پست فکری اور مغربیت کے طوفان میں تنکوں کی طرح بہنے کے بارے میں بھی وہ کافی پریشان تھے، لیکن اس کے لئے وہ قطعاً مرزائیوں کی طرح کسی نئی نبوت گھڑنے یا مسیحیت یا مہدیت کا دعویٰ کرنے کے روادار نہیں تھے وہ اپنے اس دعویٰ کو کہ

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست ۞ اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

اپنے آپ کو دین محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے کر، اس کے علاوہ ابولہبی اور جہالت ہے۔

وہ اپنے کلام کے اندر مختلف انداز سے اسلام کی وکالت کرتے ہیں اور جا بجا مسلمانوں کو دین اسلام کی طرف واپس آنے اور بانی اسلام حضرت محمد ﷺ کے طریقہ زندگی کو اپنانے کی موثر دعوت دیتے ہیں۔ وہ زمانہ کے مکار اور عیار دینی سوداگروں سے باخبر رہنے کی بار بار تلقین کرتے ہیں۔ ان کے اس عقیدہ ویقین کے ثبوت میں دلائل پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ علامہ موصوف کے کلام سے ادنیٰ قاری بھی اس بات سے بخوبی واقف ہے۔

دراصل مرزا قادیانی کے دعاوی شروع شروع میں اس قدر متضاد، مبہم، دجل آمیز، پرفریب، من گھڑت اصطلاحات کے بکھیڑوں میں الجھے رہے کہ جس کی وجہ سے علمائے اسلام کے لئے دوٹوک الفاظ میں ان کو خارج از اسلام قرار دینے میں بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا، بعض علماء نے توقف کو اختیار کیا، بعض نے ارتداد سے نیچے احکام صادر کئے بعض غلط فہمی کے شکار ہو کر اور دین واسلام کی ایک تجدیدی تحریک سمجھ کر اس کی کفریہ عبارتوں کے متعلق تاویل کی راہ اپنا کر کچھ عرصہ ہمنوا بھی بن گئے، اور کچھ نے نرم گوشہ رکھنے کی راہ اختیار کی۔

مرزائیت کی تحریک کو کفر وارتداد کا فتویٰ سب سے پہلے ۱۸۸۴ء کے اندر علمائے پنجاب نے دیا، لیکن اس فتوے کی تائید وتصویب کسی معتمد ادارہ یا بین الاقوامی علمی شخصیت کی ضرورت تھی جس سے یہ فتویٰ قبول عامہ حاصل کر کے مرزائیت کے خلاف ایک موثر شکل اختیار کر لیتا، یہ دور علامہ کشمیری کے علمی شباب کا تھا اور برصغیر ایشیا کے اکثر علماء ان کے نبوغ علم پر اعتماد رکھتے تھے، علامہ کشمیریؒ اس سے قبل بھی مرزائی لٹریچر اور ان کی تخریبی سرگرمیوں پر کڑی نگاہ رکھے ہوئے تھے اور اس موضوع پر عربی وفارسی میں کئی کتابیں تصنیف کر کے شاگردوں کو اس فتنہ کی سرکوبی کی تلقین فرماتے تھے۔ ڈابھیل منتقل ہونے کی وجہ سے انہیں علمی میدان میں آنے کے لئے بہت کم وقت ملتا تھا، تاہم مجلس احرار کو انہوں نے ہی اس فتنہ کا پیچھا کرنے پر لگا لیا تھا۔

جب دار العلوم دیوبند سے علامہ کشمیری کی دستخط وتائید سے قادیانیت کے متعلق کفر وارتداد کا فتویٰ صادر ہوا تو علمائے پنجاب کا دیا ہوا فتویٰ علمائے اسلام کا ایک متفقہ فتویٰ تسلیم کیا جانے لگا۔

علامہ اقبال کئی مسلم رہنماؤں اور علماء کی طرح مرزائیت کے متعلق اسلام کی احیاء کے سلسلہ میں دیگر اٹھنے والی تحریکات کی طرح نرم گوشہ رکھتے تھے، لیکن جوں جوں مرزائیت کا اصل چہرہ سامنے آتا گیا علامہ کا موقف بھی اس فرقہ کے بارے میں وہی ہو گیا جو علمائے اسلام کا تھا جس کو آپ نے اپنی ایک تحریر کے اندر ان الفاظ سے ظاہر فرمایا ہے: چنانچہ ان کے سوانح نگار سلیم چشتی لکھتے ہیں:

علامہ اقبال نے ۲۱/جون ۱۹۳۶ کو اپنے ایک خط میں لکھا ہے کہ میرے ذہن میں اس سے متعلق کوئی ابہام نہیں کہ احمدی (مرزائی) اسلام اور ہندوستان دونوں کے غدار ہیں (۱۶۸)

علامہ موصوف بہر حال ایک انسان تھے، ان کے دیدہ ور ہونے اور اسلام و بانی اسلام ﷺ کے شیدائی ہونے میں کسی کو شک نہیں ہے، مختار ٹونکی اور شیخ جیسے چمگادڑوں کو اگر دن میں سورج کی روشنی نہ دکھائی دے تو اس میں سورج کا کیا قصور ہے، ایسے لوگوں کے متعلق سعدی شیرازیؒ نے بہت اچھا کہا ہے ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ۞ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ
راست خواہی ہزار چشم چناں ۞ کور بہتر کہ آفتاب سیاہ

لیکن اس کے باوجود معصوم عن الخطاء اور کوئی فرشتہ نہیں تھے جو دھوکہ میں نہیں آسکتے تھے۔ درحقیقت علامہ اقبال مسلمانوں کی زبوں حالی بالخصوص مسلمانوں کی آپسی رسہ کشی سے بہت غمزدہ تھے، وہ قطعاً اسباب کے روادار نہیں تھے کہ موجودہ صورت حال میں مسلمان آپسی رسہ کشی کے شکار ہوکر اپنی قوت وطاقت کو کھو بیٹھیں، ایسے لوگ ہمیشہ چھوٹے چھوٹے اختلافی مسائل کو اہمیت نہیں دیتے ہیں بلکہ وہ عظیم مقاصد کے حصول میں مگن ہوتے ہیں۔ مرزائیت کے متعلق شروع میں علامہ کا یہی موقف رہا ہے لیکن وہ اتنے بے دین اور بے ضمیر بھی نہیں تھے کہ وہ اپنے روادارنہ رویے کی خاطر دین وایمان کا سودا کرنے میں باک محسوس نہ کرتے، چنانچہ جب انہیں اس بات کا احساس ہوا کہ یہ سازشی فرقہ اس روپ میں میرے دین وایمان کا استحصال کررہا ہے تو انہوں نے وہی رویہ اپنایا جو ایک باغیرت مسلمان کا شیوہ ہوتا ہے۔

دنیا کا ایک ادنیٰ سا عقلمند بھی اس بات کو اچھی طرح جانتا ہے کہ ہر چھوٹے بڑے انسان کا موقف وہ معتبر ہوتا ہے جس پر وہ اپنی وفات تک قائم رہا ہو۔ بڑے بڑے محدثین ومفسرین اور فقہاء کو بھی کبھی کبھی مسئلہ میں اپنے سابقہ موقف سے رجوع کرنا پڑا، امام المتکلمین شیخ ابوالحسن اشعریؒ عرصہ تک معتزلی عقائد کے حامل بلکہ ان کے وکیل رہے لیکن پھر اس سے تائب ہوکر اہل سنت والجماعت میں داخل ہوگئے۔ آج ان کو علمی دنیا اہل سنت کے ترجمان کی حیثیت سے جانتی ہے۔

لہٰذا علامہ اقبال کا شروع میں مرزائیت کے متعلق کیا موقف رہا ہے وہ کیسے قابل اعتبار ہوسکتا ہے؟

ان کا موقف تو اصل وہ ہے جس پر وہ آخری عمر تک قائم رہے، جیسا کہ انہوں نے خود نظم کیا ہے: ؎

پس خدا برما شریعت ختم کرد ۞ برسول ما رسالت ختم کرد
داد ما را آخریں جامے کہ داشت ۞ لانبی بعدی زاحسانِ خدا ست

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی شریعت بذریعہ محمد ﷺ نازل کرکے اپنے اختتام کو پہنچائی، اللہ تعالیٰ کے پاس اس امت کے لئے اب کوئی نئی شریعت آنا باقی نہیں ہے اس وجہ سے اس امت پر رسالت کا سلسلہ بھی ختم فرمایا:

مجھے کبھی کبھی تعجب ہوتا ہے کہ آخر مرزائیوں کو باوجود مرزا قادیانی کے دعاوی کے ابطال کے بعد بھی اس کے رسول، نبی یا مسیح موعود اور مہدی ہونے کا باصرار دعویٰ کیوں ہے؟ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت کے نزدیک یہ ایسے رتبے اور ذمہ داریاں ہیں جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی خاص اور چنیدہ بندے کو دیتے ہیں جو اپنے اخلاق وکردار اور روحانی قوت کے ذریعہ قوموں کے اندر انقلاب بپا کرنے کی صلاحیت کے حامل ہوتے ہیں۔ جب ہم اس نکتہ نگاہ سے مرزا غلام احمد قادیانی کی ذاتی زندگی کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں اس کے رسول یا مسیح موعود تسلیم کرنا تو درکنار ایک سلیم العقل شخص اور باکردار انسان تسلیم کرنا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ پھر اس نے جو پوری امت کی اصلاح کے لئے مبعوث ہونے کے بانگ بلند دعوے کئے ہیں سوائے فتنہ وفساد، اختلاف وانتشار اور شرعی احکام کو توڑ مروڑ کے کون سا انقلاب لایا ہے۔ اس کی ماننے والی امت کی زندگیوں کا جائزہ لیجئے وہ کون سی برائی نہیں جس میں وہ مبتلا نہیں ہے۔

لہٰذا علامہ اقبالؒ جیسے جہاں دیدہ اور دانشور اور تاریخ ملل ومذاہب کے ماہر فلسفی اور عاشق رسول سے یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ مرزا قادیانی جیسے مخبوط الحواس شخص کو کچھ ماننے یا اس کی امت میں داخل ہونے کے لئے تیار ہو جاتا، جہاں تک سازشوں کا تعلق ہے اس میں کوئی بھی شخص کسی بھی وقت کچھ دیر متاثر ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اگر علامہ اقبال نے بھی ابتدائی مرحلہ میں مرزائیت کے متعلق کبھی کچھ حمایتی الفاظ کہے ہوں یا مسلمانان کشمیر کی حمایت کی خاطر کشمیر کمیٹی کا ساتھ دیا ہو تو اس سے قطعاً یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا ہے وہ اپنے عقیدہ وعمل میں یا شعوری طور پر مرزائی تھے۔

علامہ اقبالؒ نے اپنے منظوم کلام میں مسلمانوں کے متعلق اسلام دشمن عناصر کے رویہ کی یوں ترجمانی فرمائی ہے۔

غدار وطن اس کو بتاتے ہیں برہمن ۞ انگریز مگر سمجھتا ہے اس کو گداگر
پنجاب کے ارباب نبوت کی شریعت ۞ کہتی ہے کہ یہ مومن پارینہ ہے کافر
آوازۂ حق اٹھتی ہے کب اور کدھر سے ۞ مسکین مسلم مانده دریں کشمکش اندر

(ضرب کلیم)

علامہ مرحوم نے براہ راست مرزا قادیانی کی ذات کو نشانہ بنا کر اس کا مذاق اڑایا ہے۔

عصر من پیغمبرے ہم آفرید ۞ آنکہ در قرآن بغیر از خود نہ دید

میرا دور بھی کس قدر عجیب ہے کہ وہ ایک نیا نبی گھڑنے میں کامیاب ہو گیا، وہ بھی ایسا کہ جس کو قرآن کے اندر اپنے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آیا (یہ ان کے اس دعوے کی طرف اشارہ ہے کہ جس میں اس نے کہا تھا

کہ میں خدا بھی محمد بھی عیسیٰ بھی ہوں، موسیٰ بھی ہوں حتیٰ کہ رام، کرشن وغیرہ بھی ہوں)۔

تن پرست وجاہ پرست وکم نگہ ۞ اندر ونش بے نصیب از لا الٰہ

جب کہ یہ شخص شکم پرست، شہرت کا دھنی اور کوتاہ نظر کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ بے شک اس کا دل کلمہ اسلام کی حقیقت سے خالی ہے۔

درحرم زاد وکلیسا امرید ۞ پردہ ناموس مارا ہم درید

اسلامی خاندان میں پیدا ہونے کے باوجود انگریزوں کی مریدی اختیار کی، مسلمانوں کے وقار اور عزت کو داغ دار کر دیا۔

دامن او را گرفتن ابلہی است ۞ سینہ او از دل روشن تہی است

ایسے شخص کی پیروی کرنا انتہائی درجے کی حماقت ہے جس کا دل نور ایمان سے خالی ہو۔

الحذر را از گرمی گفتار او ۞ الحذر از حرف پہلو دار او

ان کی چکنی چپڑی باتوں سے کبھی دھوکہ نہ کھانا اور ان کے بلند بانگ دعوؤں سے ہوشیار رہنا۔

شیخ او شیطاں فرنگی را مرید ۞ گرچہ گوید از مقام بایزید

ان کا اصل پیر تو شیطان ہے اور انگریزوں کے زرخرید ہیں اگر چہ یہ شبلی اور بایزید ہونے کا دعوے کرتا ہے۔

گفت دیں را رونق از محکومی است ۞ زندگانی از خودی محرومی است

کیا حماقت کی بات کہی کہ انگریزوں کے زیر سایہ ہی دینی ترقی ممکن ہے، خودی سے عاری زندگی کا دلدادہ اس قدر ہے۔

دولت اغیار را رحمت شمرد ۞ رقصا گرد کلیسا کرد ومرد

انگریزوں کی حکومت کو اپنے لئے رحمت سمجھتا ہے اور اس من گھڑت بت کے سامنے رقص کرتے جان دے دی۔

اس فارسی نظم میں علامہ مرحوم نے مرزا قادیانی کی جوگت بنائی ہے اگر مرزائیوں میں کچھ شرم ہوتی تو وہ ان کا نام لینے سے بھی کانپتے۔ چہ جائے کہ وہ انہیں اپنی فہرست میں شامل کرنے یا متاثر بتانے کی حماقت کرتے۔

اس دور کے علماء نے جس محنت اور توجہ اور ناقابل تردید دلائل و براہین سے مرزائیوں اور ان کے نمک خوار ایجنٹوں کی ہفوات کا توڑ کیا وہ تاریخ اسلام کا ایک روشن ترین باب ہے۔

اس سلسلہ میں اکابر علماء کی تصنیفات کئی کئی جلدوں میں مرتب ہوکر چھپ چکی ہیں جن میں اس فتنہ کے تار و پود کو بکھیر کر رکھ دیا گیا ہے۔ بالخصوص حضرت شیخ الاسلام والمسلمین خاتم الفقہاء والمحدثین امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے جس شدت کے ساتھ اس فتنہ کو محسوس کیا اور اس کی سرکوبی کے لئے سرگرم ہوگئے تھے وہ ان کی حیات کا ایک روشن ترین باب ہے۔

جب علامہ کشمیریؒ مقدمہ بھاولپور کے سلسلہ میں اپنا بیان دینے کے لئے بھاولپور تشریف لے گئے تو وہاں کی ایک مسجد کے اندر تقریر کرتے ہوئے فرمایا ''میرا جسم بواسیر کی تکلیف سے نڈھال ہے ادھر ڈابھیل جانے کی تیاری مکمل ہوچکی تھی۔ شیخ الجامعۃ مولانا غلام محمد گوٹوی کا خط موصول ہوا کہ آپ بھی اس مقدمہ میں مدعی کی طرف سے بطور گواہ کے اپنا بیان قلمبند کرادیں۔ میں نے سوچا کہ میرے پاس آخرت میں ذریعہ نجات کی کوئی چیز نہیں لہٰذا میں بھی اس سلسلہ میں کچھ کرکے اپنے لئے اس کو ذریعہ نجات بنادوں، گویا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے وکیل صفائی کے طور پر حاضر ہوا ہوں مجھ پر یہ بات اچھی طرح کھل گئی ہے کہ اگر ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تاج ختم نبوت کی حفاظت نہ کرسے تو ہم سے گلی کا کتا بہتر ہے''۔

علامہ کشمیریؒ کا اس سلسلہ میں خاص رول رہا ہے علمی انداز میں اس کا رد کرنے کی خاطر ان کی اکثر تصانیف اسی موضوع کے متعلق ہیں۔ خاتم النبیین کے اندر قرآن پاک کی ایک آیت ''مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَ لٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَ خَاتَمَ النَّبِيّٖنَ'' سے ان کی رد میں سو استدلال کا استنباط کیا ہے۔ ''اکفار الملحدین'' میں اس فرقہ کے الحاد و زندقہ کا محققانہ انداز میں جواب دیا ہے۔ ''حیات ابن مریم'' اور ''نزول عیسیٰ'' نامی اپنی دو تصنیفوں میں مسلمانوں کے اس اجماعی عقیدہ کو قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل فرمایا ہے۔ یہ اس سلسلہ کے وہ علمی کام تھے جو علامہ کشمیریؒ ہی جیسی ہستی انجام دے سکتی تھی، ورنہ مرزا قادیانی نے اپنے دجل وفریب کے ذریعہ اسلام کے کئی بنیادی عقیدوں میں ایسا اشتباہ پیدا کردیا تھا کہ بہت سارے پڑھے لکھے لوگوں کا ایمان متزلزل ہونے لگا تھا۔

مجلس احرار سے وابستہ علمائے کرام بالخصوص رئیس الاحرار مولانا حبیب الرحمن اولؒ اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کو علامہ کشمیریؒ نے ہی مرزائیت کے تعاقب پر مامور کیا تھا۔ علامہ اقبال کو مسئلہ ختم نبوت کی اہمیت اور اس کے بنیادی عقیدہ ہونے کی حیثیت ان کو علامہ کشمیریؒ نے ہی سمجھائی تھی، وہ بھی علامہ کشمیریؒ کو عالم اسلام کی ایک مقتدر ہستی تصور کرتے تھے، اور بعض علمی، دقیق فلسفی مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ علامہ اقبالؒ علامہ کشمیریؒ کے عربی منظوم رسالہ ''ضرب الخاتم علی حدوث العالم'' سے اس قدر متاثر ہوئے تھے کہ فرمایا مجھے اندازہ نہ تھا اس دور میں بھی کوئی بوریا نشیں عالم، مدارس کے اندر درس

وتدریس کے خوگر ایسے فلسفیانہ موضوع کے متعلق بھی ایسی گہری واقفیت رکھتا ہو۔

علامہ کشمیریؒ کا وہ کارنامہ نہایت عظیم سمجھا جاتا ہے جوانہوں نے ریاست بہاول پور کے ڈسٹرکٹ کوٹ کے اندر دائر ایک مقدمہ (بعنوان غلام عائشہ بنام عبدالرزاق برائے تنسیخ نکاح) میں بحیثیت گواہ مدعیہ مسلسل تین دن ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ محمد اکبرخان کے سامنے دیکر عدالت پر واضح کیا کہ مرزائی فرقہ مسلمانوں سے علیحدہ ایک خارج از اسلام فرقہ ہے جس کا نکاح کسی بھی صورت مرزائیوں کے ساتھ نہیں ہوسکتا ہے۔سال ۱۹۳۲ سے ۳۵ تک مزید سماعت کر کے اس مقدمہ کا فیصلہ عدالت نے بحق مدعیہ لکھ کر تحریر کیا ہے:

''لہٰذا مدعیہ کی طرف سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مرزا صاحب کاذب مدعی نبوت ہیں اس لئے مدعی علیہ بھی مرزا صاحب کو نبی تسلیم کرنے سے مرتد قرار دیا جائے گا۔اس کے علاوہ جو دیگر عقائد مدعی علیہ نے اپنی طرف منسوب کئے ہیں وہ گو عالم اسلامی عقائد کے موافق ہیں لیکن ان عقائد پر وہ انہی معنوں میں عمل پیرا ہوگا جو معنی مرزا صاحب نے بیان کئے ہیں،اور یہ معنی چونکہ ان معنوں کے مغایر ہیں جو جمہور امت آج تک لیتی آئی ہے اس لئے بھی وہ مسلمان نہیں سمجھا جاسکتا ہے اور ہر دو صورتوں میں وہ مرتد ہی ہے اور مرتد کا نکاح چونکہ ارتداد سے فسخ ہوجاتا ہے،لہٰذا ڈگری بدیں مضمون بحق مدعیہ صادر کی جاتی ہے کہ وہ تاریخ ارتداد مدعی علیہ سے اس کی زوجہ نہیں رہی۔(مقدمہ بھالو پورہ)

یہ مقدمہ اس دور میں نہایت اہمیت حاصل کر چکا تھا بظاہر اگر چہ یہ مقدمہ دو فرد یعنی زوجین کے نکاح کا تھا جس میں شوہر عبدالرزاق مرزائی بنا تھا اور اس کی زوجہ نے عدالت میں تنسیخ نکاح کا دعویٰ دائر کردیا تھا۔ لیکن عدالت کو تنسیخ سے قبل اس نکتہ کو طے کرنا لازمی تھا کہ آیا مرزائی بننے سے انسان مرتد ہوجاتا ہے یا نہیں۔ اس وجہ سے یہ مقدمہ دو فردوں کے بجائے دو فرقوں میں جنگ میں تبدیل ہوگیا تھا اور دونوں اس مقدمہ کا فیصلہ اپنے اپنے حق میں ہونے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے بالخصوص مرزائیوں نے اس مقدمہ کو اپنے حق میں فیصلہ کرانے کے لئے انگریزی گورنمنٹ کے ذریعہ ریاست بھاولپور کے نواب ''سرعمر حیات ٹوانہ'' پر دباؤ ڈالا گیا تھا کہ وہ اس مقدمہ کو بھاولپور کی عدالت سے کسی طرح ختم کردے۔لیکن انہوں نے اس کو اپنی ایمانی غیرت کے خلاف سمجھ کر ان کے اس دباؤ کو خاطر میں نہیں لایا۔

مرزائیوں نے اس مقدمہ کی وکالت کے لئے اس دور کے مشہور وکیل جلال الدین شمس کو مقرر کیا تھا جو ایک ماہر وکیل ہونے کے ساتھ ساتھ علوم دینیہ کا بھی کافی حد تک واقف تھا،لیکن علامہ کشمیریؒ کے مقابلہ میں اس کی ایک بھی نہ چلی۔انہوں نے اس کے اٹھائے گئے نکات کا ایسا دنداں شکن جواب دیا کہ جج صاحب

کئی بار اپنی کرسی سے اچھل پڑے، اس وجہ سے جج صاحب نے اپنے ۹۰ صفات پر مشتمل فیصلے میں بار بار جلال الدین شمس کے سوالات کے جواب میں علامہ کشمیریؒ کا تذکرہ کیا ہے۔

راقم نے اس فیصلہ کو بڑی مشکل سے حاصل کر کے اس پر اپنا تجزیہ تحریر کر کے اس امید سے چھاپا تھا کہ کم از کم تعلیم یافتہ طبقہ اس کی اہمیت محسوس کر کے ضرور اس سے استفادہ کریں۔

اب چند سالوں سے مرزائی پوری دنیا کے اندر بالخصوص ریاست جموں وکشمیر میں اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ یہاں کے مسلمانوں کو دین واسلام کے سلسلہ میں کنفیوزن پیدا کر کے انہیں ذہنی وفکری آوارہ گردی میں مبتلا کر دیں اور اس کے لئے وہ پوری سرگرمی کے ساتھ اسلام دشمن عناصر کے اشاروں پر کئی طرح کے حربے اپنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ علامہ سر محمد اقبالؒ کے متعلق پھیلائے جانے والے اس شوشے کا مقصد بھی یہی ہے کہ جدید تعلیم یافتہ ان کے ساتھ کچھ زیادہ ہی عقیدت واحترام رکھتے ہیں لہٰذا وہ اگرچہ اس حربے سے متاثر بھی نہیں ہوں گے لیکن کم از کم اشتباہ میں ضرور پڑیں گے اور مرزائیت کے متعلق نرم گوشہ اختیار کریں گے اسی وجہ سے وہ کشمیر کے اندر عام جوانوں میں لندن سے چھپائے گئے مضامین کی خفیہ طور اشاعت کر رہے ہیں۔

حال ہی میں ہمارے ایک مشفق ڈاکٹر محمد اشرف آثاری صاحب نے مختار ٹونکی اور انور شیخ کی طرف سے شائع کردہ ان مضامین کا منہ توڑ جواب لکھ کر ایک کتاب کی شکل میں ''علامہ اقبال اور مرزائیت'' کے نام سے شائع کی ہے جو اس سلسلہ کی ایک اہم کوشش ہے۔

امید ہے کہ دوسرے اہل علم ودانش حضرات مرزائیوں کی ان سازشی کوششوں پر کڑی نظر رکھ کر بروقت تدارک کرنے کی کوشش فرمائیں گے یہ اس وقت دین واسلام کی اہم ترین خدمت سے شمار ہوگی۔ ان شاء اللہ العزیز۔

سیّد محمد ازہر شاہ قیصرؒ کی شاعری

ولیم ہما میرٹھی

کلیم الدین احمد نے اپنی کتاب ''اردو شاعری پر ایک نظر'' میں اردو کی پرانی شاعری کو بڑا مضحکہ خیز ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، ان کی کتاب کی بسم اللہ اس دعوے سے ہوتی ہے کہ شاعری کی ہندوستان میں قدرو منزلت نہیں، شاعری کی قدر ایک دلچسپ مشغلے سے زیادہ نہیں اور ایک مخصوص گروپ کے خیال میں شاعری پروپیگنڈہ کا دوسرا نام ہے۔ شاید کسی زمانے میں شاعری کو منحوس بھی خیال کیا جاتا تھا۔ مولانا سیّد محمد ازہر شاہ قیصر (شاہ جی) کی شاعری کو دیکھتے ہوئے مجھے کلیم الدین احمد کے اس خیال سے اتفاق نہیں۔

انگریز شاعر اور نقاد میتھیو آرنلڈ (Mathew Arnold) کا نظریہ اس سے مختلف ہے۔ اس کے خیال میں شاعری کا مستقبل بے پایاں ہے اور آنے والے زمانوں میں ہماری نسلیں شاعری سے زیادہ سے زیادہ سہارا پائیں گی مگر وہ ہر شاعر کو اس میں شامل نہیں کرتا بلکہ اس کی شرط یہ ہے کہ صرف وہی شاعری اس میں شامل ہے جو اپنی بلند تقدیر کی مستحق ہو۔ میتھو آرنلڈ شاعری کے لئے اس قدر خوش فہمی سے کام لیتا تھا کہ اس نے یہ دعویٰ کر دیا کہ آنے والے زمانوں میں شاعری مذہب کی جگہ لے لے گی۔

مغربی نقادوں میں رچرڈز (Richards)، ایلیئٹ (Eliot)، بوئیس (Bois)، مری (Murry) نے بھی شاعری کے مستقبل کے بارے میں جو آراء ظاہر کی ہیں وہ شاعری کو برگزیدہ ثابت کرتے ہیں۔

شاعری کی طرح شاعر کی تشریح بھی کی گئی ہے بقول شیلے: شاعر وہ عندلیب ہے جو اپنی تنہائی کے احساس کو مسرت بخشنے کے لئے بے نوری میں گاتا ہے اور اس طرح گاتا ہے کہ سامعین اور قارئین وجد میں آجاتے ہیں، مگر ولیم ورڈز ورتھ کی نظر میں شاعر بھی عام دنیاوی انسانوں کی طرح ہوتا ہے، وہ نہ بے نوری میں گاتا ہے اور نہ اپنی تنہائی کو مسرت بخشتا ہے، لیکن وہ جو باتیں کرتا ہے وہ انسانوں سے ہوتی ہیں اس میں عام آدمیوں کے مقابلے میں مخصوص خوبیاں ہوتی ہیں۔ جو باتیں وہ انسانوں سے کرتا ہے ان میں باسی پن نہیں ہوتا بلکہ وہ تازہ بہ تازہ اور نو بہ نو ہوتی ہیں اور یہ شادابی بے مثل ہوتی ہے اور عام آدمی کی باتوں میں یہ

تازگی اور نشاط انگیزی نہیں ہوتی۔

ملکہ ایلزبتھ کے دور میں اطالوی اور فرانسیسی شاعری کی تقلید ہوئی اور لیرک شاعری (تغزل) عالم وجود میں آئی لیکن کچھ عرصہ بعد لیرک شاعری نے اطالوی اور فرانسیسی شاعری سے اپنی راہ قطعاً جداگانہ بنالی۔

لیکن اردو شاعری کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ وہ آج بھی فارسی شاعری کی پیروی کرتی نظر آتی ہے اردو شاعری کے ناقد کلیم الدین احمد کی نظر میں انسان ارتقاء کی منازل طے کرنے کے باوجود مکمل مہذب نہیں بن پاتا اور وہ بربریت سے نجات نہیں پاتا بلکہ ذراسی تحریک پر انسان کی بربریت تہذیب کے حلقوں کو توڑ کر باہر نکل آتی ہے۔

کلیم احمد اسی رعایت سے ادب میں ''وحشی اور نیم وحشی'' اصناف کا تعین کرتے ہیں، ان کے الفاظ میں ''غزل بھی ایک نیم وحشی صنف ہے، اس کی صورت ناقص ہے''

اس بات کے ثبوت میں ان کا دعویٰ ہے:

''وحشی اپنے آرٹ میں صورت اور اس کی تکمیل کی مطلق پروا نہیں کرتا، وہ نہ تو اپنے جذبات وخیالات کی تربیت کرتا ہے اور نہ انہیں ترکیب دے کر ایک مناسب وموزوں صورت کی تخلیق کرتا ہے۔''

مولانا سید محمد ازہر شاہ قیصر مرحوم کی شاعری نہ تو نیم وحشی صنف ادب ہے، اور نہ اس کی صورت ناقص ہے بلکہ انہوں نے اپنے جذبات وخیالات کی تخلیق کی ہے۔ ان کی شاعری کا مستقبل بے پایاں ہے اور آنے والے زمانوں میں ہماری نسلیں ان کی شاعری سے زیادہ سے زیادہ سہارا پائیں گی۔ ان کی شاعری اپنی بلند تقدیر کی مستحق ہے، شیلے نے شاعر کو بلبل سے تشبیہ دی ہے اور مولانا سید محمد ازہر شاہ قیصر کی شاعری واقعی بلبل کے ترانوں سے کم نہیں، لیکن شیلے کی شاعری کی طرح وہ اندھیروں میں تنہائی کو خوش کرنے کے لئے نغمہ سرائی نہیں کرتے ہیں، حالاں کہ سامعین اور قارئین ان کی شاعری سے وجد میں ضرور آجاتے ہیں۔ ازہر شاہ قیصر کی شاعری کوئی دلچسپ مشغلہ نہیں ہے اور وہ پروپیگنڈہ کا دوسرا نام بھی نہیں ہے۔ ان کے کلام میں شادابی وتازگی موجود ہے۔

اپنے ماہنامہ طیب ماہ اکتوبر ۱۹۸۴ء میں وہ خود اپنی شاعری پر اس طرح اظہار خیال فرماتے ہیں۔ ''سچ یہ ہے کہ نہ میں نے کبھی شاعری کی ہے اور نہ شاعری میرے لئے کوئی چیز ہے۔ ؎

سو پشت سے ہے پیشۂ آباء سپاہ گری ۞ کچھ شاعری ذریعۂ عزت نہیں مجھے

جس کے باپ کے علم وفضل اور مجتہدانہ بصیرت سے علوم قرآن وحدیث میں اجتہاد وتحقیقات کے نئے

نئے دروازے کھلے ہیں اس کا بیٹا اگر شاعری، صحافت وقلم کاری کو اپنا مشغلہ بناتا ہے تو کیا اچھا کرتا ہے، مگر یہ واقعہ ہے کہ شاعری کار بیکاراں ہے اور اپنی بیکار زندگی میں اگر میں شاعری کرتا ہوں تو کچھ تو کرتا ہوں بیکار تو نہیں رہتا، بزرگوں کا کہنا ہے کہ ''بیکار مباش کچھ کیا کر''۔

''شاعری کارِ بیکاراں ہے'' کی قرارداد مولانا کو کلیم الدین کا ایک طرح ہم خیال بنا دیتی ہے، لیکن جب ہم مولانا کی شاعری کے اثاثے پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو وہ کار بیکاراں قطعی نظر نہیں آتی، بلکہ ان کی شاعری میں بڑے کام کی باتیں نظر آتی ہیں۔

ان کی شاعری پر نظر ڈالنے کے لئے آغاز ان کے تغزل سے کیا جائے تو بہتر ہے، ان کی ایک غزل ''کمالِ نظر'' کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

یہ مانا دردِ دل بے اثر دیا تو نے ۞ مگر نظر کو کمالِ نظر دیا تو نے
تری جفائے مسلسل کو سہہ رہا ہوں میں ۞ مری طرح بھی کسی کو جگر دیا تو نے
زباں پہ مہر لگا دی بیان غم کے لئے ۞ دلِ حزیں کو غم مستتر دیا تو نے
جلا کے خاک جو کردے مقام ہستی کو ۞ چھپا ہوا وہ شگفتہ شرر دیا تو نے
بنا کر آئینہ خود اپنے حسنِ رنگیں کو ۞ دیا تو دیدۂ حیرت نگر دیا تو نے
مرے سکون کی دنیا خراب کردے گا ۞ جواب صاف اگر نامہ بر دیا تو نے
خبر ہے عام، کہ قیصرؔ اجل نصیب ہوا ۞ نہ جی اٹھے کہیں کاندھا اگر دیا تو نے

ان کی اس شاعری میں نہ تو فارسی شاعری کی کورانہ تقلید ہے اور نہ بہزاد و مانی کی مریدی، اس حیثیت سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کی غزل گوئی کا فن عربی تہذیب اور ایرانی اثرات کے مترجم کا نہیں ہے بلکہ اردو کے ایک شاعر کا ہے ان کے اشعار میں احساس کی تازگی، تخیل کی شادابی اور جذبات کی واقعیت موجود ہے، اس قسم کا کافی ذخیرہ قیصرؔ صاحب کے یہاں موجود ہے۔ ان کی شاعری شاعری ہے، لفظی تصنع کی بھرمار نہیں ہے، احساسات کی صورت گری ہے۔ ان کے یہاں اس قسم کے بیشتر اشعار ملیں گے جو بہترین جذبات وتخیلات کی مکمل عکاسی کرتے ہیں اس اعتبار سے وہ ذکی الحس بھی ہیں اور قدرت کا نادر عطیہ فہم وادراک انہیں بھرپور ملا ہے، ان کا کلام زندہ اور مروج زبان اردو کی کسوٹی پر پرکھا جاسکتا ہے۔ الفاظ کی ندرت اور استعاروں کا انوکھا پن ہے، ان کی زبان انتہائی سلیس اور مروجہ زبان ہے۔

ان کے ان اشعار کو پڑھئے اور جھوم جائیے ؎

آئینہ کے سامنے مصروفِ آرائش رہے ۞ حسنِ تاباں دیکھ کر خود ہی وہ شرمانے لگے

آسماں تھرا اٹھا، غم سے زمین ہلنے لگی ۞ غم کے مارے جب کبھی فریاد فرمانے لگے

نعت شریف لکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے پرستار جذبہ محبت سے سرشار ہو کر نعت شریف لکھتے ہیں۔ مگر دراصل نعت شریف لکھنا پل صراط عبور کرنے سے کم نہیں ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ افضل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے بعد۔ لیکن جذبۂ عشق کی سرشاری کبھی کبھی لکھنے والے کو اس منزل شوق سے گزار دیتی ہے جہاں لکھنے والا عشق کی دیوانگی میں ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے اور یہ بھی بھول جاتا ہے کہ رسول کی تعریف کرتے کرتے وہ راہِ مستقیم سے بھٹک گیا ہے اور رسول کو اللہ تعالیٰ سے بھی زیادہ مرتبہ دیدیا ہے، نعوذ باللہ، یہ کفر وشرک ہے اللہ، اللہ ہے اور ہم سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمیت اس کے ادنیٰ بندے ہیں۔ ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کا عزیز ترین بندہ ضرور کہہ سکتے ہیں اور یہ بھی کہ وہ اللہ کے کافی قریب ہیں ان سے دور نہیں لیکن انہیں اللہ کی ہمسری نہیں دی جاسکتی یہ تو کفر ہے۔

مولانا قیصر چونکہ اسلامی عقائد سے بخوبی واقف ہیں لہٰذا وہ بڑی احتیاط سے کام لیتے ہوئے نعت شریف لکھتے ہیں اب دیکھئے نعت شریف میں فرماتے ہیں۔

غنچۂ دل کشا کھلا صلّ علی محمد ۞ باغ جہاں مہک اٹھا صل علی محمد
صبحِ ازل کی آبرو، شامِ ابد کی آرزو ۞ تشنہ لبوں کا آسرا صل علی محمد
حسن کی اک ادا ہے وہ، عشق کی انتہا ہے وہ ۞ فضل خدا کی انتہا صل علی محمد
کفر کی ظلمتوں کو وہ بقعۂ نور کر گیا ۞ سارا زمانہ کہہ اٹھا صل علی محمد
ان کی ہدایتیں درست، ان کی روایتیں بجا ۞ مرکز خیر اور ہدیٰ صل علی محمد
تیرے وجود پاک سے کفر کا زور گھٹ گیا ۞ شرک کا نام مٹ گیا صل علی محمد
سارے جہاں میں غلغلہ تیرے ظہور کا ہوا ۞ سرد ہوا صنم کدہ صل علی محمد
قیصر غم نواز کو رحمت خاص سے ملے ۞ آپ کا لطف بے بہا صل علی محمد

نعت شریف کس اہتمام واحتیاط سے لکھی گئی ہے۔ حفظ مراتب کا ہر جگہ پاس رکھا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف کتنے محتاط ڈھنگ سے کی گئی ہے۔

انگریزی ادب میں اسکاٹ اور بائیرن جیسے شعراء نے بیانیہ قسم کی نظمیں لکھی تھیں، اردو میں بھی بیانیہ نظموں کا ایک ہجوم ہے۔ مولانا قیصر کی نظموں میں جوش، تخیل وجذبات کے علاوہ شادابی بھی ہے، نئے نئے استعارے بھی ہیں اور نئے نئے نقوش بھی مگر سب سے بڑی بات ان کی نظموں کی اثر انگیزی ہے۔ نظموں میں ان کے اشعار کسی مرصع گل دستے سے کم نہیں۔ ان کے اشعار سے دل ودماغ کو سرور حاصل ہوتا ہے اور

روح شاداب ہو کر رہ جاتی ہے جہاں ان کی حمد و نعت میں صدق جذبات کی خوشبو رچی بسی ہوئی ہے وہاں ان کی نظموں میں جذبات اور مشاہدات کی عکس انگیزی اپنی بھرپور صلاحیت کے ساتھ موجود نظر آتی ہے۔

سیلاب اشک کے نام سے مولانا قیصر نے علامہ اقبال کی یاد میں ایک شاہکار نظم کہی ملاحظہ ہو۔

دیدۂ مشرق بہائے کیوں نہ سیل اشک خوں ۞ ہو گیا ہندوستان کا قلب محروم سکوں
آشنائے نبض فطرت، شاعر معجز بیاں ۞ بحر وحدت کا شناور نازش اسلامیاں
جس نے بھر کر "روح صافی" پیکر اشعار میں ۞ رفعتیں کر دی تھیں پیدا قوم کے افکار میں
جس نے توڑا جادوئے افرنگ کا رنگ ثبات ۞ جس نے پلٹا اپنی نظموں سے نظام کائنات
بلبل باغِ محمد، سروبستان رسول ۞ روح جس کی آج ہے جنت میں مہمانِ رسول
قال بھی جس کا ہم آہنگ نوائے حال تھا ۞ جس کا دل لذت شناس سورۂ انفال تھا
جس نے نصرانی عزائم کے بکھیرے تار و پود ۞ دہر سے منوا کے چھوڑا، مرد مومن کا وجود
جس کا دل تھا واقعی دیں کی امانت کا امین ۞ ہو گیا ہے آہ وہ اقبال پیوندِ زمین

مذہب و معرفت پر ان کے بیشتر اشعار موجود ہیں۔ دردؔ کی طرح قیصرؔ صاحب کے یہاں بھی تصوف ہر جگہ جلوہ نما ہے، یہ رنگ ان کے کلام میں اتنا غالب تھا کہ تغزل کے اشعار میں بھی وہ تصوف اور روحِ شریعت پیش کرتے تھے، ان کی غزل "کمال نظر" بھی اس کیفیت سے خالی نہیں ہے۔

شاعری ادب کا اہم حصہ ہے اور ادب کی دو حیثیتیں ہیں ایک وہ ادب جسے ہم زندہ ادب کے زمرے میں شامل کر سکتے ہیں اور دوسرا وہ جس کا اس عصری ادب سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، ایسا ادب محض جذباتی لمحے یا ذہنی بحران کی شدت سے وقتی طور پر تخلیق ہوتا ہے اور وقت کے تیز بہاؤ کے ساتھ بہہ کر ایک مدت بعد دریا برد ہو جاتا ہے۔ مولانا قیصر کی شاعری کا تعلق حقیقی عصری ادب سے ہے ان کی شاعری میں سچی جرأت مندی ہے، زندگی آفرینی ہے اور اشعار کا وافر ذخیرہ خیال افروز ہے اور یہ عطیۂ قدرت صرف اسی شاعر کو ودیعت ہوتا ہے جو انتہائی پرخلوص اور دردمند دل رکھتا ہو، مولانا کی شاعری انسان دوستی، وطن دوستی، امن اور تطہیر ذہن جیسے اہم اور عالی جذبوں سے شرابور ہے۔ ان کی شاعری پڑھ کر نظریات اور عقائد میں پختگی پیدا ہوتی ہے، ان کی شاعری میں اکثر مقامات ایسے ہیں جہاں انسانی زندگی کے مسائل کی نشاندہی ہوتی ہے۔ وہ ادب میں اقتدار اور ہر طرح کے طمع سے بے نیاز اپنا فرض نبھاتے رہے۔

۞۞۞

قربانی کے ضروری مسائل

مفتی عبدالباری، دارالافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

مسئلہ: قربانی ہر اس مسلمان (مرد ہو یا عورت) پر واجب ہے جو عاقل، بالغ، مقیم اور صاحب نصاب ہو، صاحب نصاب سے مراد وہ شخص ہے جو ساڑھے سات تولہ (87.479 گرام) سونا یا ساڑھے باون تولہ (35.612 گرام) چاندی یا ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت نقد کی شکل میں یا اس کے برابر سامان تجارت کا مالک ہو، یہ سونا، چاندی، نقد روپیہ اور سامان تجارت کھانے پینے کا سامان، استعمال کے کپڑے، سواری، رہائش کا مکان، صنعتی آلات، مشینیں اور دیگر ضروریات کے علاوہ ہو۔ **مسئلہ**: قربانی کے نصاب پر سال کا گزرنا ضروری نہیں، بلکہ قربانی کے دنوں میں جس وقت بھی نصاب ملک میں آجائے تو قربانی واجب ہوگی۔ **مسئلہ**: نابالغ اور پاگل پر قربانی واجب نہیں، اسی طرح وہ مسافر جو سوا ستتر کلومیٹر (248512.77) کی مسافت کے ارادہ سے سفر میں ہے اس پر قربانی واجب نہیں۔ **مسئلہ**: قربانی کے دنوں میں اگر مکہ مکرمہ میں حاجی مقیم اور صاحب نصاب ہو تو اس پر بھی عیدالاضحیٰ کی قربانی واجب ہوگی۔ واضح رہے کہ یہ قربانی دمِ شکر کی قربانی سے الگ ہے **مسئلہ**: مردوں پر جس طرح قربانی واجب ہے اسی طرح عورتوں پر بھی مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ قربانی لازم ہے۔ چاہے وہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ۔ **مسئلہ**: جو شخص صاحب نصاب نہیں، اس پر قربانی واجب نہیں۔ **مسئلہ**: سونا، چاندی، نقد اور سامان تجارت کے علاوہ ضرورت سے زائد سامان کی قیمت بھی لگائی جائے گی، یعنی کسی کے پاس ضرورت سے زائد سامان موجود ہے اور سال بھر وہ استعمال میں نہیں آتا، اگر اس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو تو اس پر قربانی واجب ہوگی۔ **مسئلہ**: اگر باپ اور بیٹوں کی ملکیتیں الگ الگ ہوں اور ہر ایک صاحب نصاب ہو تو ان میں سے ہر ایک پر قربانی واجب ہے اور اگر باپ بیٹے اکٹھے رہتے ہوں، ملکیتیں الگ الگ نہ ہوں اور بیٹوں کا مستقل کاروبار بھی نہیں اور ان کے پاس بقدر نصاب رقم بھی نہ ہو تو بیٹوں پر قربانی واجب نہیں۔ **مسئلہ**: میاں بیوی کی ملکیتیں الگ شمار

ہوں گی، لہٰذا دونوں صاحب نصاب ہوں تو ہر ایک پر مستقل قربانی لازم ہے۔ اگر دونوں صاحب نصاب نہیں، لیکن دونوں کی مجموعی ملکیتیں نصاب کے برابر ہوں تو ان پر قربانی واجب نہیں۔ اگر ایک صاحب نصاب ہو (مثلاً شوہر کاروبار کی وجہ سے یا بیوی زیورات کے مالک ہونے کی وجہ سے) تو صرف اس پر قربانی لازم ہے، دوسرے پر نہیں۔ نیز جو قرض شوہر پر لازم ہو، بیوی کو اپنے نصاب سے یا بیوی مقروض ہو تو شوہر کو اپنے نصاب سے ان کو منہا کرنا جائز نہیں۔

قربانی کے جانور اور ان کی عمریں

مسئلہ: گائے، بیل، بھینس، اونٹ، اونٹنی، بکرا، بکری، بھیڑ اور دنبہ کی قربانی جائز ہے، ان کے علاوہ دیگر جانوروں مثلاً مرغا، مرغی، خور گوش، بطخ اور کبوتر وغیرہ کی قربانی جائز نہیں اور قربانی کی نیت سے ذبح کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ مسئلہ:: قربانی کے جانوروں میں سے اونٹ پانچ سال، گائے، بیل، بھینس اور بھینسا دو سال کا، بکرا بکری، بھیڑ اور دنبہ ایک سال کا ہونا ضروری ہے، اس سے کم عمر والے جانور کی قربانی جائز نہیں۔ البتہ چھے ماہ کا دنبہ اس قدر فربہ ہو کہ وہ سال بھر کا معلوم ہوتا ہو تو اس کی قربانی درست ہے۔ مسئلہ: قربانی کے جانور میں حضرات فقہائے کرام نے عمر کا لحاظ رکھا ہے اور دو دانت ہونے کو اس کی علامت قرار دیا ہے، لہٰذا جانور اگر سن رسیدہ ہو تو اس کی قربانی درست ہے اور دو دانت کی علامت ہو تو بہتر ہے اور اگر دو دانت کی علامت نہیں لیکن سن رسیدہ ہے تو بھی اس کی قربانی درست ہے مسئلہ: اگر بکرے کے سال مکمل ہونے میں ایک آدھ دن باقی ہے تو اس کی قربانی درست نہیں۔ مسئلہ: اگر جانور دیکھنے میں کم عمر کا معلوم ہوتا ہو مگر یقین کے ساتھ معلوم ہو کہ اس کی عمر پوری ہے تو اس کی قربانی درست ہے۔ مسئلہ: نیل گائے، اور ہرن حلال جانور ہیں ان کا گوشت کھانا جائز ہے، لیکن چوں کہ وحشی جانور ہیں اس لیے ان کی قربانی جائز نہیں۔ اسی طرح گھوڑے کی قربانی بھی جائز نہیں۔

قربانی کے حصے

مسئلہ: گائے، بیل، بھینس، بھینسا، اونٹ اور اونٹنی میں سات افراد شریک ہوں تو مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ قربانی درست ہے: تمام شرکاء مسلمان ہوں، زیادہ سے زیادہ حصہ دار سات ہوں۔ ثواب حاصل کرنے کی نیت سے شریک ہوں، اگرچہ ثواب حاصل کرنے کی جہت مختلف ہو، مثلاً واجب قربانی، نفلی قربانی، عقیقہ اور ولیمہ، لہٰذا اگر کوئی شخص گوشت حاصل کرنے کی نیت سے شریک ہوگا، تو سب کی قربانی درست نہیں۔ سب کی آمدنی حلال ہو۔ مسئلہ: سات افراد سے کم مثلاً چار یا پانچ یا چھ یا اس سے بھی کم

افراد شریک ہوں تب بھی قربانی کرنا درست ہے، البتہ سات افراد سے زیادہ اگر شریک ہوئے تو کسی کی قربانی نہیں ہوگی۔

وہ جانور جن کی قربانی جائز ہے

مسئلہ: جس جانور کے پیدائشی سینگ نہ ہوں یا بعد میں ٹوٹ گئے ہوں، بشرطیکہ سینگ جڑ سے نہ ٹوٹا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔ **مسئلہ:** جس بھیڑ یا بکری کی دم پیدائشی طور پر چھوٹی ہو تو اس کی قربانی درست ہے۔ **مسئلہ:** جو جانور کانا ہو لیکن اس کا کانا پن ظاہر نہ ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔ **مسئلہ:** لنگڑا جانور جو چلنے پر قادر ہو اور چوتھا پاؤں زمین پر رکھ کر اور اس کا سہارا لے کر چلتا ہو، تو اس کی قربانی جائز ہے۔ **مسئلہ:** جو جانور بیمار ہو، لیکن اس کی بیماری ظاہر نہ ہو تو اس کی قربانی درست ہے۔ **مسئلہ:** جس جانور کو کھانسی یا خارش کی بیماری لاحق ہو اس کی قربانی درست ہے۔ **مسئلہ:** جس جانور کا کان چیر دیا گیا ہو، یا ایک تہائی سے کم کاٹ دیا گیا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔ **مسئلہ:** جس جانور کے دانت بالکل نہ ہوں تو اس کی قربانی جائز نہیں اور اگر کچھ گر گئے ہیں لیکن باقی زیادہ ہیں اور چارہ کھا سکتا ہے تو اس کی قربانی درست ہے۔ **مسئلہ:** جس جانور کے بال کاٹ دیے گئے ہوں اس کی قربانی جائز ہے۔ **مسئلہ:** بانجھ جانور کی قربانی جائز ہے، اس لیے کہ بانجھ ہونا قربانی کے لیے عیب نہیں۔ **مسئلہ:** خصی بکرے، مینڈھے اور بیل کی قربانی جائز ہے اور اس میں کسی قسم کی کراہت نہیں، چاہے خصیتین کو کاٹ دیا گیا ہو یا دبا کر بے کار کر دیا گیا ہو، اس لیے کہ یہ گوشت کی عمدگی کے لیے کیا جاتا ہے اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس خصی جانور کی قربانی فرمائی ہے، اس لیے خصی ہونا نہ صرف یہ کہ عیب نہیں بلکہ قربانی کے جانور کا ایک پسندیدہ وصف ہے۔ **مسئلہ:** جس جانور کے پیٹ میں بچہ ہو اس کی قربانی صحیح ہے، البتہ ولادت کے قریب ذبح کرنا مکروہ ہے، تاہم ذبح کے بعد اگر بچہ زندہ ہو تو اس کو بھی ذبح کر لیا جائے اور کھا لیا جائے اور اگر مردہ ہو تو اس کا کھانا جائز نہیں۔

وہ جانور جن کی قربانی ناجائز ہے

مسئلہ: جس جانور کے سینگ جڑ سے ٹوٹ گئے ہوں اس کی قربانی جائز نہیں۔ **مسئلہ:** جس جانور کے پیدائشی کان ہی نہیں، یا پورا ایک کان کٹا ہوا ہے، یا تہائی حصہ یا اس سے زیادہ کٹا ہوا ہے، اس کی قربانی درست نہیں۔ **مسئلہ:** جس جانور کی ناک کٹی ہوئی ہے، اس کی قربانی جائز نہیں۔ **مسئلہ:** جو جانور اندھا ہو یا اس کی تہائی بینائی یا اس سے زیادہ جاتی رہی ہو، اس کی قربانی جائز نہیں۔ **مسئلہ:** جس

جانور کی زبان کٹی ہوئی ہو اور چارہ نہ کھا سکتا ہو اس کی قربانی درست نہیں۔ **مسئلہ:** جس جانور کے دانت بالکل نہ ہوں، اس کی قربانی جائز نہیں۔ **مسئلہ:** بھیڑ، بکری اور دنبی کے ایک تھن سے دودھ نہ اترتا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں۔ **مسئلہ:** بھینس گائے اور اونٹنی کے دو تھنوں سے دودھ نہ اترتا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں۔ **مسئلہ:** جو جانور اتنا لنگڑا ہے کہ فقط تین پاؤں سے چلتا ہے، چوتھا پاؤں رکھا ہی نہیں جاتا، یا رکھا تو جاتا ہے مگر جانور چل نہیں سکتا تو اس کی قربانی جائز نہیں۔ **مسئلہ:** جس جانور کی دُم ایک تہائی یا اس سے زیادہ کٹی ہوئی ہو تو اس کی قربانی درست نہیں۔ **مسئلہ:** ایسا دُبلا اور لاغر جانور جس کی ہڈیوں میں گودا نہ ہو، یا ذبح کرنے کی جگہ تک نہ جا سکتا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں۔

قربانی کا وقت

مسئلہ: عیدالاضحیٰ کی دسویں تاریخ کی صبح صادق سے بارہویں تاریخ کی شام تک قربانی کا وقت ہے۔ ان تینوں دنوں میں جس وقت بھی قربانی کی جائے درست ہے، لیکن افضل بقرعید کا پہلا دن ہے، پھر دوسرا، پھر تیسرا۔ **مسئلہ:** گیارہویں اور بارہویں ذوالحجہ کی رات کو قربانی کا جانور ذبح کرنا درست ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ رات کو ذبح نہ کیا جائے، اس لیے کہ رگوں کے درست طریقے سے نہ کٹنے کا امکان ہے۔ **مسئلہ:** بارہویں تاریخ کو سورج کے غروب سے پہلے تک قربانی درست ہے، لیکن جب سورج غروب ہو جائے تو اس کے بعد قربانی درست نہیں ہوگی۔ مسئلہ: شہر والوں پر لازم ہے کہ قربانی کا جانور عید کی نماز کے بعد ذبح کریں، اس سے پہلے ذبح کرنا جائز نہیں، تاہم شہروں میں اگر عید کی نماز کسی وجہ سے نہیں پڑھی جا سکی تو نماز عید کا وقت گزر جانے کا انتظار کیا جائے، یعنی زوال تک انتظار کیا جائے پھر زوال کے بعد قربانی کی جائے۔ **مسئلہ:** کسی عذر کی وجہ سے اگر عید کی نماز دسویں ذوالحجہ کو نہیں پڑھی جا سکی، بلکہ گیارہویں یا بارہویں کے لیے مؤخر کر دی گئی، تو گیارہویں اور بارہویں کو نماز عید سے پہلے قربانی کرنا درست ہے۔ **مسئلہ:** اگر قربانی کرنے والے نے نماز عید ابھی تک نہیں پڑھی، مگر شہر میں کسی بھی جگہ نماز عید ادا کی گئی ہے تو وہ قربانی کر سکتا ہے، اس لیے کہ خود قربانی کرنے والے کا نماز عید سے فارغ ہونا ضروری نہیں، بلکہ مسجد یا عیدگاہ میں نماز عید کا ادا ہو جانا کافی ہے۔ **مسئلہ:** دیہات اور گاؤں میں نماز عید و جمعہ واجب نہیں صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد قربانی کرنا درست ہے۔

ذبح کرنے کے ضروری مسائل

مسئلہ: جو شخص ذبح کرنا جانتا ہے تو اس کے لیے افضل یہ ہے کہ قربانی کا جانور خود ذبح کرے،

اگر خود ذبح کرنا نہیں جانتا تو دوسرے سے ذبح کرا سکتا ہے مگر ذبح کے وقت وہاں خود موجود ہونا افضل ہے۔ اگر ذبح کرتے وقت مندرجہ ذیل دعا یاد ہو تو اسے پڑھے اور اگر دعا یاد نہیں تو کوئی حرج نہیں، دل سے نیت ہی کافی ہے۔

دعا یہ ہے:

"﴿إِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيْفاً وَّمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ، إِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ، وبذلك أمرت وأنا أول المسلمين، اللهم منك ولك﴾

پھر ﴿بِسْمِ اللهِ اَللهُ أَكْبَرُ﴾ کہہ کر ذبح کریں اور اس کے بعد یہ دعا پڑھیں: ﴿اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِيْبِكَ وخَلِيْلِكَ إِبْرَاهِيْمَ عَلَيْهِمَا الصلوة والسَّلَامُ﴾

مسئلہ: ذبح کرنے کی اجرت لینا جائز ہے، بشرطیکہ اجرت متعین ہو۔ **مسئلہ**: عورت اور بچے کا ذبح کرنا بھی جائز ہے، بشرطیکہ بچہ ذبح کرنے کی طاقت رکھتا ہو **مسئلہ**: قربانی میں ذبح کرتے وقت شرکاء کا نام پکارنے کی ضرورت نہیں، البتہ ذبح کرنے والا ان سب کی نیت کرے۔ **مسئلہ**: تیز چھری سے ذبح کرنا مستحب ہے۔ **مسئلہ**: ذبح کرنے کے فوراً بعد کھال نہ اتاری جائے، بلکہ جسم ٹھنڈا ہونے کا انتظار کیا جائے، پھر کھال اتار دی جائے۔ **مسئلہ**: قبلہ رخ بائیں کروٹ پر جانور کو لٹانا مستحب ہے۔ **مسئلہ**: مرتد، قادیانی اور زندیق کا ذبیحہ حرام ہے، ان سے قربانی کے موقع پر یا کسی اور جانور کا ذبح کرانا حرام ہے۔

گوشت کی تقسیم

مسئلہ: قربانی کا گوشت خود کھانا اور رشتہ داروں، مال داروں اور فقیروں میں تقسیم کرنا جائز ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ تہائی حصہ خیرات کرے، اگر تہائی سے کم خیرات کیا تو بھی کوئی گناہ نہیں۔ **مسئلہ**: بڑے جانور میں اگر سات آدمی یا اس سے کم شریک ہوں تو گوشت تقسیم کرتے وقت اٹکل سے نہ بانٹیں، بلکہ تول کر وزن کرنا ضروری ہے، کمی بیشی کی صورت میں سود کا گناہ ہوگا۔ **مسئلہ**: جب شرکاء آپس میں گوشت تقسیم کرنا چاہیں تو وزن کر کے تقسیم کرنا ضروری ہے، اگر سارا گوشت لوگوں میں تقسیم کرنا چاہیں، یا پکا کر کھلائیں تو اس وقت تقسیم کرنا ضروری نہیں۔ **مسئلہ**: مستحب یہ ہے کہ قربانی کا گوشت تین حصہ کر کے ایک حصہ اپنے اہل وعیال کے لیے، ایک حصہ رشتہ داروں میں اور ایک حصہ فقراء اور محتاجوں میں تقسیم کرے۔ اگر کوئی شخص عیال دار ہونے کی وجہ سے یا ویسے ہی تمام گوشت خود رکھنا چاہتا ہے تو بھی کوئی

مضائقہ نہیں۔ **مسئلہ**: قربانی کا گوشت، سری، پائے اور چربی کا بیچنا جائز نہیں، بالفرض اگر کسی نے فروخت کرلیا تو اس کی قیمت کا صدقہ کرنا واجب ہے، اپنے پاس رکھنا یا استعمال میں لانا جائز نہیں۔ **مسئلہ**: قصائی کو بطور اجرت گوشت دینا جائز نہیں۔ مسئلہ: قربانی کا گوشت سکھا کر رکھنا درست ہے۔

قربانی کی کھال

مسئلہ: قربانی کرنے والا یا اس کے اہل وعیال کھال کو اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں، مثلاً جائے نماز، موزہ، مشکیزہ اور دسترخوان بنا کر اپنے استعمال میں لانا جائز ہے۔ **مسئلہ**: کھال کسی امیر شخص کو بھی دینا جائز ہے، البتہ فروخت کرنے کے بعد قیمت کا صدقہ کرنا ضروری ہے، قیمت اپنے استعمال میں لانا یا کسی غنی اور امیر کو دینا جائز نہیں۔ **مسئلہ**: کھال یا اس کی قیمت کسی ملازم کو تنخواہ اور کام کے عوض میں دینا جائز نہیں، جیسے امام، مؤذن اور قصائی کو بحق اجرت کھال دینا درست نہیں، البتہ اگر یہ لوگ مستحق ہوں تو مستحق ہونے کی وجہ سے دینا درست ہے۔ **مسئلہ**: قربانی کی کھال کسی ایسے ادارے یا انجمن یا کسی ایسے رفاہی ادارہ کو دینا جائز نہیں جو اس رقم کو مستحقین پر خرچ نہیں کرتی بلکہ جماعت اور ادارہ کی دیگر ضروریات میں خرچ کرتی ہے۔ **مسئلہ**: قربانی کے بعد جانور کی رسی، جھول اور ہار کا صدقہ کرنا بہتر ہے ان کا بیچنا یا حق الخدمت کے طور پر دینا جائز نہیں۔ **مسئلہ**: موجودہ زمانے میں دینی مدارس میں چرمہائے قربانی کا دینا سب سے افضل اور بہتر ہے، اس لیے کہ غریب طلبہ کی امداد بھی ہے اور علم دین کی خدمت بھی۔

آخری وقت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصیحت

حیات مبارک کے آخری ایام میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مرض الموت میں تھے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس سے متعلق زید بن ارقمؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حسب ذیل خطبہ ارشاد فرمایا:

اے لوگو! میں ایک انسان ہوں، عنقریب میرے پاس میرے رب کا بھیجا ہوا ملک الموت آنے والا ہے اور میں اس کی دعوت قبول کرکے یہاں سے وہاں جانے والا ہوں۔ لیکن میں تم میں دو مؤقر چیزیں چھوڑے جارہا ہوں۔ ان دونوں میں سے پہلی تو کتاب اللہ قرآن کریم ہے، یہی اللہ تعالی کی رسی ہے۔ اس میں ہدایت اور روشنی ہے جو اس کو مضبوطی سے تھامے گا اور اس پر عامل رہے گا وہ ہدایت پر ہوگا اور جو اسے چھوڑ دے گا وہ گمراہ ہوجائے گا۔ پس تم کتاب اللہ کو پکڑے رہو، مضبوط تھامے رہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتاب اللہ کے مطابق عمل کرنے پر ابھارا اور اس کی رغبت دلائی۔ اس کے بعد فرمایا: (دوسری چیز) میرے اہل بیت ہیں۔ میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا کی یاد دلاتا ہوں، میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا کی یاد دلاتا ہوں، میں اپنے اہل بیت کے بارے میں تمہیں خدا کی یاد دلاتا ہوں۔

فقہی سوالات وجوابات

مفتی نثار خالد قاسمی
استاذ حدیث وافتاء جامعہ ہذا

سوال (۱) کسی ایسے جانور کی قربانی دینا جس کو کھجلی ہوگئی ہو کیسا ہے؟

جواب: جس جانور کو کھجلی ہوئی ہو اور وہ موٹا تازہ ہو تو اس کی قربانی درست ہے۔ بحر میں ہے:

وفی المحیط: تجوز الجرباء وفی الحاوی: الجرباء إذا کانت سمینة ص ۳۲۳ ج ۸۔

سوال (۲) جسے قربانی کرنی ہے وہ ہندوستان کا ہے اور اس کی طرف سے قربانی ہو رہی ہے عرب میں اور یہ معلوم ہے کہ یہاں اور وہاں میں عامۃً ایک دن کا فرق ہوتا ہے کہ یہاں وہاں سے ایک دن بعد قربانی ہوتی ہے، پس سوال یہ ہے کہ اس صورت میں یہ قربانی کب کی جائے؟

جواب: حضرات فقہاء نے قربانی کے مسائل میں لکھا ہے کہ قربانی کرنے میں قربانی کی جگہ کا اعتبار ہوگا۔ ''درمختار معہ الشامی'' میں ہے: **والمعتبر مکان الاضحیة لا مکان من علیه ص ۳۸۶، ج ۹**

لہٰذا عرب میں جب قربانی کی جا رہی ہے تو وہاں جس دن یوم النحر (قربانی کا دن) ہوگا اسی دن قربانی کی جائے گی۔

سوال (۳) کوئی مالدار آدمی ہے مگر اپنی کسی مجبوری کی وجہ سے اپنی قربانی نہیں کر سکا تو اب اس کے لئے اپنے فرض سے سبکدوش ہونے کی کیا شکل ہوگی؟ کیا وہ قربانی کے ایام گزر جانے کے بعد بھی جانور قربانی کر سکتا ہے؟

جواب: قربانی کے ایام تین دن ہیں، ذی الحجہ کی دسویں، گیارہویں، بارہویں، یعنی دسویں کی فجر سے بارہویں کے سورج غروب ہونے تک قربانی کا وقت ہے۔ **وھی ثلثة در مختار معه الشامی ص ۳۸۳** لہٰذا قربانی انہی اوقات میں ہو سکتی ہے ان اوقات کے گزر جانے کے بعد اب جانور کی قربانی نہیں ہو سکتی ہے، مگر وہ مالدار شخص ہے اس کے ذمہ قربانی کرنی ضروری تھی اور ایام گزر گئے، قربانی کر نہیں سکا تو پھر اس کے لئے اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کی صورت یہ ہے کہ اگر اس نے قربانی کے لئے جانور ابھی خریدا

نہیں تھا تو وہ اتنے روپے صدقہ کردے جن سے ایسی درمیانہ قسم کی بکری خریدی جاسکے جس کی قربانی جائز ہے اور اگر جانور خرید چکا تھا تو پھر یا تو اس پر جو دام لگا ہے اتنا صدقہ کردے یا اسی جانور کو صدقہ کردے۔

ذکر فی البدائع: ان الصحیح ان الشاۃ المشتراۃ للاضحیۃ اذا لم یضح بھا حتی مضی الوقت یتصدق الموسر بعینھا حیۃ کالفقیر بلاخلاف بین اصحابنا شامی ص ۳۸۹ وتحت قولہ" تصدق بقیمتھا" ظاھر فیما اذا اشتراھا لان قیمتھا تعلم امااذا لم یشترھا فما معنی أنہ تصدق بقیمتھا فانھا غیر معینۃ فبین ان المراد اذا لم یشترھا قیمۃ شاۃ تجزی فی الاضحیۃ. (حوالہ مذکور)

سوال نمبر (۴) ایک غریب آدمی کے گھر کا اپنا بکرا ہے جسے اس نے قربانی کی نیت سے پالا ہے مگر اب اس کا ارادہ بدل چکا یعنی اب وہ اس کو اپنے کسی ذاتی مصرف میں استعمال کرنا چاہتا ہے کیا وہ ایسا کرسکتا ہے؟

جواب: غریب آدمی پر قربای کرنا شرعاً واجب نہیں ہے، ہاں اگر قربانی کے ایام میں قربانی کرنے کی نیت سے کوئی جانور خرید لیتا ہے تو پھر اس کے ذمہ قربانی کرنا ضروری ہوجاتا ہے جیسا کہ شامی میں ہے: **لان شراءہ لھا یجری مجری الایجاب** لہٰذا صورت مذکورہ میں وہ غریب شخص اپنے گھر کے بکرے کو اپنے ذاتی مصرف میں استعمال کرسکتا ہے چنانچہ شامی میں ہے:

فلو کانت فی ملکہ فنوی أن یضحی بھا لا تجب الخ ص ۳۸۹، ج ۶۔

سوال نمبر (۵) کسی جانور کے جسم پر ایک گول نشان دائرہ کی شکل میں ہے جسے لوہا گرم کرکے لگایا گیا ہے یہ ایک مارکہ اور علامت ہوتی ہے سوال یہ ہے کہ ایسا جانور قربانی کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب: (شامی ص ۳۹۴، ص ۹" دار الکتاب) میں ہے: **تجوز التضحیۃ بالمجبوب واللتي لھا کی الخ** لہٰذا مذکورہ بالا صفت کے جانور کی قربانی جائز، درست ہے۔

سوال (۶) ایک غریب آدمی ہے جس نے ایک بڑا جانور قربانی دینے کی نیت سے خرید لیا ہے اب وہ اس میں کسی اور شخص کو بھی دو حصہ میں شریک کرنا چاہتا ہے کیا وہ ایسا کرسکتا ہے۔

جواب: صورتِ مذکورہ میں اس غریب آدمی کے لئے ایسا کرنا درست نہیں ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اس پورے جانور کو اپنی طرف سے قربان کرے، وجہ اس کی یہ ہے کہ قربانی کی نیت سے جب اس نے اس جانور کو خرید لیا تو اب وہ پورا جانور اس کی طرف سے قربانی کئے جانے کے لئے متعین ہوچکا ہے۔ شامی ص ۳۸۹، ج میں ہے: **لان شراءہ لھا یجری مجری الایجاب وھو النذر بالتضحیۃ.**

سوال نمبر (۷) ایک سانڈ ہے جو آزاد رہا کرتا تھا ایک شخص نے اس کو اپنی تحویل میں کرکے کافی دن

تک رکھا اور اچھی طرح چارہ پانی کھلایا پھر جب قربانی آئی تو اس نے اس کی قربانی دے دی۔سوال یہ ہے کہ اس کا اس سانڈ کو قربانی دینا کیسا ہے؟ نیز اس سے اس کی قربانی ہوجائے گی یا نہیں؟

جواب: جس جانور کو اس طرح مزار یا کسی بت کے نام پر چھوڑا جاتا ہے وہ اپنے مالک کی ملکیت سے نکل نہیں جاتا ہے۔لہٰذا مذکورہ صورت میں اس سانڈ کو قربانی دینا شخص مذکور کا درست نہیں ہے۔لیکن اگر اس نے اس جانور کو قربان کر دیا ہے اور جانور کے مالک کو اس کی قیمت ادا کر دیتا ہے تو پھر اس کی قربانی ہوجائے گی۔**ان ضمنه قيمتها حية تجزى عن الذابح لانه ملكها بالضمان من وقت الغصب بطريق الاستناد فصار ذابحاً شاة هي ملكه فتجزيه** (شامی ص، ۱۰۴، ج۹ دارلکتاب) مگر اس کو توبہ واستغفار کرنا چاہیے کیوں کہ اس نے یہ کام غلط کیا ہے۔

سوال نمبر(۸) کسی وجہ سے دسویں ذی الحجہ کو قربانی کی نماز نہیں پڑھی جاسکی تو اب قربانی کا کیا ہونا چاہئے کیا دسویں کو قربانی ہوسکتی ہے؟ اگر ہوگی تو کب؟

جواب: قربانی کی نماز کا اصل وقت دسویں کی فجر سے زوال تک ہے لہٰذا صورت مذکورہ میں دسویں کے زوال کے بعد قربانی کرے۔**ولو لم يصل الامام صلاة العيد في اليوم الاول اخروا الاضحية الى الزوال ثم ذبحو۔** بحر ص، ۳۲۲، ج۸) تو اگر زوال سے قبل کرتا ہے تو قربانی نہیں ہوگی۔

سوال نمبر(۹) کسی نے کسی دوسرے شخص کو اپنی طرف سے قربانی کے لئے روپے دیئے اس نے جانور خریدا اور کچھ روپے بچ گئے سوال یہ ہے کہ وہ ان روپیوں کو کیا کرے؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں وکیل کے پاس جانور کی خریداری کے بعد جو روپے بچ گئے ہیں وہ موکل کے ہیں پس اگر اس کی طرف سے وکیل کو اجازت ہو استعمال کرنے کی تو استعمال کرسکتا ہے ورنہ پھر اس کی ذمہ داری ہے کہ موکل کو وہ روپے واپس کردیں۔

سوال: کسی غریب شخص نے دو ماہ قبل ہی ایک جانور قربانی کی نیت سے خرید لیا مگر چند ہی دنوں بعد اس کا ارادہ بدل گیا اب وہ اس جانور کو فروخت کر کے اپنی ضرورت میں استعمال کرنا چاہتا ہے۔اس کا حکم کیا ہے؟

جواب: شامی ص ۳۸۹، ج۹ کی عبارت **او شراها لها قبلها لم تجب** سے معلوم ہوتا ہے کہ اس غریب شخص کے لئے اس جانور کو فروخت کرنا اور اس کی قمیت کو اپنی ذاتی ضرورتوں میں استعمال کرنا درست ہے۔فقط واللہ اعلم

جامعہ کی سرگرمیاں

مولانا فضیل احمد ناصری القاسمی
استاذ حدیث جامعہ ہذا

جدید داخلے مکمل

رمضان المبارک وعید الفطر کی تعطیل کلاں کے بعد تعلیمی سال کا آغاز ہوتے ہی جامعہ کی طرف طلبہ کی بھیڑ امڈ پڑی۔ ہر جماعت میں داخلہ کے خواہش مند کثیر تعداد میں آئے۔ دس شوال المکرم سے ۱۶؍تک امتحان داخلہ جاری رہا۔ درجہ حفظ، عربی اول تا دورہ حدیث شریف سمیت تکمیلات (ادب عربی، افتاء) میں داخلہ کے خواہش مند طلبہ کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔ حسبِ سابق معیاری نمبرات سے کامیاب ہونے والوں کو داخلے دیئے گئے۔ امسال ہر جماعت میں ایک بڑی تعداد کو داخلہ دیا گیا۔ عربی سوم، چہارم اور عربی پنجم میں پچھلے برسوں سے کہیں زیادہ طلبہ کو داخلہ ملا۔

الحمدللہ سابقہ برسوں کے مقابلہ میں طلبہ کی تعداد ڈیوڑھی ہوگئی ہے۔ پچیس شوال تک دفتری کارروائیاں مکمل ہوئیں۔

تعلیم کا باقاعدہ آغاز

داخلے کی کارروائیاں تکمیل پذیر ہوتے ہی تعلیم کا باقاعدہ آغاز کر دیا گیا۔ اساتذہ کرام تعطیل پوری ہوتے ہی جامعہ تشریف لا چکے تھے۔ امسال نصاب تعلیم میں معمولی ترمیمات بھی کی گئیں۔ اساتذہ کو ان کی متعلقہ کتابوں کی تفصیلی تحریر بھی بھیج دی گئی۔ جامعہ نے تعلیم کا نیا نظام متعارف کراتے ہوئے ماہانہ مقدارِ خواندگی کی حد بندی بھی کی ہے، جس سے اساتذہ کے لئے تکمیل نصاب کا مرحلہ چنداں دشوار نہیں رہے گا۔

نظام میں بہتری لانے کے لئے کچھ ذمہ داریاں بھی تبدیل کی گئیں۔ درجاتِ عربی کے لئے بطور مذاکرہ گاہ دارالحدیث انور ہال کا تحتانی حصہ منتخب کیا گیا، جہاں الحمدللہ مغرب تا عشاء عربی اول تا عربی پنجم (موقوف علیہ) کے طلبہ مذاکرہ کر رہے ہیں۔ طلبہ کی نگرانی کے لئے محترم جناب مولانا ابوطلحہ اعظمی صاحب زید مجدہم استاذ حدیث کو مقرر کیا گیا ہے۔ ناظم دارالاقامہ محترم جناب مولانا صغیر احمد صاحب پرتاب گڑھی

زید مجدہم استاذ حدیث کو نامزد کیا گیا، جب کہ برقیات وآب رسانی کی نظامت محترم جناب مولانا عثمان صاحب دیوبندی زید مجدہم استاذ شعبہ عربی کے سپرد کی گئی۔

خریداریٔ کتب

طلبہ کی روز افزوں تعداد کے پیش نظر لاکھوں روپے کی درسی کتابیں خریدی گئیں۔ ناظم اعلیٰ لائبریری محترم جناب مولانا بدرالاسلام قاسمی زید مجدہم استاذ فقہ کے بیان کے مطابق ہر جماعت کے لئے وافر کتب کی خریداری کی گئی تاکہ امدادی طلبہ کو خریداری کتب کی زحمت سے بچایا جاسکے۔

الحمدللہ جامعہ کی لائبریری میں بیسیوں علوم وفنون سے متعلق ہزاروں کتب موجود ہیں جو تشنگان علوم اور محققین وریسرچ اسکالروں کے لئے مرجع کی حیثیت رکھتی ہیں۔

پندرہ اگست کی مناسبت سے اجلاس کا انعقاد:

آزادی کا جشن منانے کے لئے ہر سال کی طرح امسال بھی پندرہ اگست کو ''یومِ آزادی'' منایا گیا اس موقع پر اہم اجلاس بھی منعقد ہوا، جس کی صدارت حضرت مولانا عبدالرشید بستوی زید مجدہم استاذ حدیث جامعہ اور نظامت احقر فضیل احمد ناصری نے کی۔ حسبِ روایت تلاوت قرآن اور نعت خوانی سے اجلاس کا آغاز ہوا۔ تلاوت عزیزم محمد حسین سلمہ (عربی اول) اور نعت خوانی عزیزم محمد مجیب سلمہ (عربی چہارم) نے کی۔ محترم مولانا وصی احمد قاسمی زید مجدہم استاذ حدیث وافتاء نے خصوصی خطاب فرمایا۔ موصوف نے آزادی کی تحریک اور تاریخ پر مختصر مگر بھرپور روشنی ڈالی۔ انہوں نے کہا کہ انگریز سے لوہا لینے کی شروعات علماء وقت نے ہی کی۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ سے لے کر شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ تک لاکھوں علماء نے ''حریت ہند'' کی تحریک جاری رکھی۔ مولانا محمد علی جوہر نے آزادی وطن کی خاطر غلام ہندوستان میں رہنا تک گوارا نہیں کیا اور آزادی کے مطالبے کے لئے لندن پہنچ گئے۔ ان کا ایک ہی نعرہ تھا کہ غلام ہندوستان میں میرا قیام نہیں رہ سکتا۔ پھر وہیں انتقال بھی فرمایا اور ان کا جسد خاکی فلسطین لے جایا گیا، جہاں ان کی آخری آرام گاہ بنی۔ مولانا نے موصوف نے یہ بھی کہا کہ آزادی وطن کے لئے ٹینکوں، توپوں اور دار پر چڑھنے والوں کا حق تو یہ تھا کہ انہیں ان کی جاں بازی اور حب الوطنی کا بہترین صلہ دیا جاتا، پر افسوس کہ ایسا نہ ہوسکا۔ صورتِ حال یہ ہے کہ ان مجاہدین کے نام بھی نصابی کتابوں میں محفوظ نہیں۔

صدارتی خطاب میں حضرت مولانا عبدالرشید بستوی زید مجدہم نے کہا کہ آزادی ہر ایک متنفس کا حق ہے۔ پھر انسان تو اشرف المخلوقات ہے۔ مولانا نے آزادی وطن پر اظہار مسرت کرتے ہوئے کہا کہ

ہمارے اسلاف کی قربانیوں نے ہندوستان کی آزاد فضاء میں سانس لینے کا موقع دیا، ورنہ فرنگیوں کے مظالم اتنے سنگین اور عزائم اتنے مکروہ تھے کہ نا قابلِ بیان۔ مولانا نے ملک کی موجودہ صورت حال پر بھی مختصر معلومات پیش کیں اور کہا کہ آزادی کے بعد بھی مسلمان خوف ودہشت میں مبتلا ہیں۔ آزادی کا حقیقی مفہوم اسی وقت ادا ہوسکتا ہے جب فرقہ وارانہ ہم آہنگی اس ملک کی پہچان بنے۔ نظامت کرتے ہوئے احقر نے جنگ آزادی میں مسلمانوں کے کردار پر اختصار سے گفتگو کی۔ راقم نے کہا کہ آزادی کی تحریک ہمارے بڑوں نے بڑی اولوالعزمی سے چلائی۔ وطن عزیز کی خاطر اپنا لہو بہانا ان کے لئے چنداں مشکل نہیں رہا۔ لیکن حیرت اور افسوس ہے کہ مولانا ابوالکلام آزاد کے علاوہ ہمارے برادرانِ وطن کسی مسلم مجاہد آزادی کو نہیں جانتے اور یوں لگتا ہے کہ اہل اسلام کا استخلاص وطن کی مساعی جمیلہ میں بس برائے نام ہی حصہ ہے۔ افسوس اس پر بھی ہے کہ خود مسلمانوں نے بھی اپنے آباء واجداد کے کارناموں کو یکسر فراموش کردیا۔

تقریبِ جشن آزادی کے بعد ترنگا لہرایا گیا۔ اس موقع پر طلبہ میں من جانب ادارہ مٹھائیاں بھی تقسیم کی گئیں۔ اجلاس میں اساتذہ وطلبہ نے شرکت کی۔ حضرت مولانا شیث احمد مظاہری زید مجدہم استاذ حدیث کی ملک میں امن وامان کی دعا پر تقریب اختتام کو پہنچی۔

تعطیلِ عید الاضحیٰ کا اعلان

جامعہ میں سال میں تعطیل کلاں دو ہیں۔ دوسری بڑی تعطیل عید الاضحیٰ کے موقع پر ہوتی ہے۔ دفتر تعلیمات سے حسبِ سابق تعطیل عید الاضحیٰ کا اعلان آویزاں کردیا گیا، جس کے مطابق ۹ر ستمبر مطابق ۶ر ذی الحجہ تا ۲۳ر ستمبر مطابق ۱۹ر ذی الحجہ جامعہ بند رہے گا۔ ۲۴ر ستمبر سے باقاعدہ تعلیم شروع کردی جائے گی۔ تمام طلبہ وقت پر جامعہ آجائیں۔

دار الحدیث کی تعمیر تکمیل سے قریب تر

جامعہ کا دار الحدیث جسے انور ہال کا نام دیا گیا ہے الحمدللہ تکمیل کے قریب تر ہے۔ سارے ضروری کام انجام پذیر ہوچکے ہیں چند کام ابھی باقی ہیں مثلاً رنگ وروغن اور بجلی وغیرہ۔ خیال رہے کہ تمام دفاتر اور ساری درسگاہیں اسی عمارت میں چل رہی ہیں۔ امید ہے انشاء اللہ بقیہ کاموں کی تکمیل بھی جلد ہی ہوجائے گی۔

توسیع درسگاہ عربی چہارم

امسال عربی چہارم میں کافی طلبہ کو داخلہ دیا گیا اس جماعت کی موجودہ درسگاہ ناکافی ثابت ہورہی

تھی۔اسی ضرورت کے پیش نظر درسگاہ کی توسیع کی گئی۔توسیع کے بعد بفضلہٖ تعالیٰ کافی جگہ بن گئی ہے،جس میں تین سوطلبہ کی بیک وقت گنجائش ہے۔

درس گاہ عربی سوم کی توسیع

دیگر درجات میں طلبہ کی کثیر تعداد کے پیشِ نظر عربی سوم کی درسگاہ کو بھی وسعت دینی پڑی۔سابقہ درسگاہ بے حدنا کافی تھی،جس سے طلبہ کو بڑی دشواریوں کا سامنا تھا۔الحمدللہ اس توسیع کے بعد جگہ کافی کشادہ ہوگئی ہے۔

دارالمطالعہ کی تعمیر عنقریب

طلبہ کی تعلیمی لیاقت اوران کی استعداد سازی کے لئے مستقل دارالمطالعہ کا قیام بے حدنا گزیر ہے۔عمارت نہ ہونے کے سبب طلبہ کو دقتوں کا سامنا ہے۔اس کے لئے کئی برسوں سے ایک اہم وسیع لائبریری کی ضرورت شدت سے محسوس کی جارہی تھی۔رئیس الجامعہ حضرت مولانا سیداحمد خضر شاہ مسعودی کشمیری دامت برکاتہم نے اسے محسوس کرتے ہوئے دارالمطالعہ کی فوری تعمیر کا فیصلہ فرمایا ہے۔یہ دارالمطالعہ دارالحدیث کے تحتانی حصے میں لنٹر ڈال کر بنایا جائے گا۔

انور ہال سے متصل حصے کی تعمیر

دارالحدیث کے زیریں حصے میں وسیع برآمدہ کی تعمیر الحمدللہ پایہ تکمیل کو پہنچ گئی۔فرش پر قیمتی پتھر نصب کئے گئے ہیں۔خوبصورتی کے لئے دونوں طرف کیاریاں بھی لگائی گئی ہیں،جن میں رنگ برنگ کے پھول اورخوشنما پودے لگائے گئے ہیں۔

سڑک کی تعمیر

بابِ معظم شاہ سے دارالحدیث جاتے ہوئے برسات میں کافی دقت ہوتی تھی۔پانی بھر جاتا تھا،جس سے کیچڑ کے مسائل پیدا ہوجاتے تھے۔ان کے پیشِ نظر ایک کشادہ سڑک کی تعمیر فوری طور پر جاری ہے۔توقع ہے کہ جلد ہی پایہ تکمیل کو پہنچ جائے گی۔اس سے فراغت کے بعد بابِ معظم شاہ کی تعمیر بھی انشاء اللہ عنقریب ہوگی۔

صحنِ مسجد میں پنکھوں کی تنصیب

جامعہ ہذا کے احاطہ میں موجود مسجد انور شاہ میں نمازیوں کے ہجوم کی بنا پر صحنِ مسجد میں پنکھوں کی ضرورت

شدت سے محسوس کی جارہی تھی۔ ماہِ رمضان میں اسی ضرورت کی تکمیل کے لئے متعدد پنکھے لگائے گئے۔

حضرت مولانا ریاست علی مدظلہ کی عیادت

دارالعلوم دیوبند کے قدیم استاذ حدیث حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری مدظلہ ان دنوں علالت سے گزر رہے ہیں، الحمدللہ اب روبصحت ہیں۔ درمیان میں صحت بگڑ گئی تو جامعہ کے اساتذہ نے ان کی خدمت میں حاضری دے کر عیادت کی۔ رئیس الجامعہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری دامت برکاتہم نے بھی عیادت کی سنت ادا کی۔ عیادت کرنے والے اساتذہ میں مولانا عبدالرشید بستوی، مولانا صغیر احمد پرتاب گڑھی، احقر فضیل احمد ناصری، مولانا شیث احمد صاحب بستوی اور مولانا وصی احمد قاسمی بستوی شامل ہیں۔

رمضان میں خانقاہی نظام

ہر سال کی طرح امسال بھی ماہِ رمضان میں مسجد انور شاہ میں خانقاہی نظام جاری رہا۔ جامعہ کے استاذ حدیث مولانا صغیر احمد پرتاب گڑھی نے بحسن خوبی اس نظام کو چلایا۔ خانقاہی نظام میں مختلف قسم کے اوراد و وظائف اور قرآن کریم کے تفسیری اسباق چلتے ہیں۔ خیال رہے کہ مولانا کو پیرِ طریقت حضرت مولانا قمرالزماں صاحب الہ آبادی سے خلافت واجازت حاصل ہے۔

تراویح کی نماز رئیس الجامعہ حضرت شاہ صاحب مدظلہ کے فرزند عزیزم سید حمدان شاہ مسعودی سلمہ اور عزیزم شبلی فرزند مولانا صغیر احمد صاحب نے پڑھائی۔ یہ ان کی پہلی محراب تھی۔ الحمدللہ خوش اسلوبی سے انہوں نے اپنا فرض منصبی ادا کیا۔

واردین وصادرین

حضرت علامہ کشمیریؒ کے تلمیذ خصوصی حضرت مولانا حاجی محمد میاں صاحب سملکی کے فرزند ارجمند حضرت مولانا الحاج ابراہیم میاں صاحب گذشتہ ہفتے اپنے خصوصی رفقاء، بھتیجوں اور عزیزوں کے ہمراہ دیوبند تشریف فرما ہوئے، شب میں قیام وطعام رئیس الجامعہ حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری مدظلہ کی رہائش گاہ پر رہا۔ صبح بعد فجر جامعہ کے کوائف واحوال سے واقفیت حاصل کی۔ نیز جامعہ میں تشریف فرما ہوکر اپنی بہترین دعاؤں سے سرفراز فرمایا۔ جامعہ کی عمارات، تعلیمی نظام، تحقیقی وعلمی سرگرمیوں، نیز جامعہ سے طباعت شدہ کتب کو پسند فرماتے ہوئے حوصلہ افزائی فرمائی۔ **فالحمد للہ علی ذالک۔**

❁❁❁

ضلع مظفر نگر سے ایک وفد جس میں جناب مولانا قاری عبدالقیوم صاحب نرمانی اور جناب حاجی سفیر صاحب مظفر نگری مقیم شارجہ جامعہ میں تشریف فرما ہوئے، حضرت رئیس الجامعہ کے آغاز و دعاء درس بخاری شریف وقف دارالعلوم دیوبند میں شرکت فرمائی، جامعہ امام انور شاہ میں جامعہ کی ترقیات وسرگرمیاں نیز تعلیمی ماحول پر بے پایاں مسرتوں کا اظہار کرتے ہوئے نیک دعائیں عطا کیں۔

❁❁❁

جموں سے ایک وفد زیر قیادت جناب مفتی محمد اقبال صاحب قاسمی بمعیت جناب مولانا خدا بخش صاحب قاسمی حضرت رئیس الجامعہ مدظلہٗ کی رہائش گاہ پر تشریف فرما ہوا۔

جامعہ کے ہمہ جہت کوائف پر حضرت مدظلہٗ سے تفصیلات معلوم کیں اور بچشم خود جامعہ کا معائنہ کر کے اپنی مسرتوں کا اظہار نیز دعاؤں سے جامعہ کو نوازا۔ حق تعالیٰ سب مہمانِ گرامی کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین

عورتیں مرد کو دین دار بنا سکتی ہیں

فرمایا کہ عورتیں ایک کوتاہی دینی حقوق میں یہ کرتی ہیں کہ مرد کو جہنم کی آگ سے بچانے کا اہتمام نہیں کرتیں، یعنی اس کی کچھ پروا نہیں کرتیں کہ مرد ہمارے واسطے حلال وحرام میں مبتلا ہے اور کمانے میں رشوت وغیرہ سے باک نہیں کرتا۔ تو اس کو سمجھائیں کہ تم حرام آمدنی مت لیا کرو۔ ہم حلال ہی میں اپنا گزر کر لیں گے۔ علیٰ ہذا اگر مرد نماز نہ پڑھتا ہو تو اس کو مطلق نصیحت نہیں کرتیں۔ حالانکہ اپنی غرض کے لئے اس سے سب کچھ کرا لیتی ہیں۔ اگر عورت مرد کو دین دار بنانا چاہے تو اس کو کچھ مشکل نہیں۔ مگر اس کے لئے ضرورت اس کی ہے کہ پہلے تم دین دار بنو۔ نماز اور روزہ کی پابندی کرو۔ پھر مرد کو نصیحت کرو تو انشاء اللہ اثر ہوگا۔ (حقوق البیت ملحقہ اصلاح النساء، صفحہ ۳۰۷)

قرآن پاک صحیح پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہئے

بعض عورتیں قرآن کریم غلط پڑھتی ہیں۔ اس کو درست کرنے کا اہتمام بھی ضروری ہے۔ بعض دفعہ ایسی غلطی ہو جاتی ہے جس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ چند سورتیں نماز کے لئے کم از کم ضرور صحیح کر لو۔ (الکمال فی الدین للنساء ملحقہ مواعظ اصلاح النساء، صفحہ ۲۴۳)

نقد و نظر

مبصر: فضیل احمد ناصری القاسمی

نام کتاب	تکمیل الحاجہ شرح اردو ابن ماجہ
شارح	مولانا غلام رسول منظور القاسمی
نوعیت	۸ر ضخیم جلدیں
ناشر	زکریا بکڈپو دیوبند
قیمت	درج نہیں

''صحاح ستہ'' اہل علم کے یہاں مخصوص ہے، اس کا اطلاق احادیث کی ان بڑی کتابوں پر ہوتا ہے جو انتہائی اعلیٰ معیار پر مرتب کی گئی ہیں، بخاری شریف، مسلم شریف، ترمذی شریف، ابوداؤد شریف، نسائی اور ابن ماجہ اس اصطلاح کی مصداق ہیں۔ ان چھ کتابوں میں آخری نمبر کی کتاب ابن ماجہ ہے، جو تیسری صدی ہجری کے محدثِ اکبر حافظ ابوعبدالرحمن ابن یزید الربعی ابن ماجہ القزوینی کی خوب صورت تصنیف ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ پانچویں صدی کے اواخر تک صحاح ستہ کے بجائے صحاح خمسہ کی اصطلاح رائج تھی۔ حافظ ابوالفضل محمد بن طاہر مقدسی (متوفی ۵۰۷ھ) نے اپنی کتاب ''شروط الائمۃ الستۃ'' میں ابن ماجہ کی شروط سے بحث کی اور اسے بھی بنیادی کتابوں میں شمار کرلیا۔ یہیں سے ''صحاحِ ستہ'' کی اصطلاح چل پڑی۔ مشہور محدث رزین ابن معاویہ مالکیؒ (متوفی ۵۲۵ھ) نے التجرید للصحاح والسنن لکھی تو چھٹی کتاب کے طور پر موطا امام مالکؒ کو رکھ دیا۔ اب اہلِ علم میں یہ قصہ مختلف فیہ ہوگیا کہ کتب ستہ کی آخری کتاب کسے قرار دیا جائے۔ مغاربہ کی نظر میں چھٹی کتاب مؤطا مالک تھی اور مشارقہ کے نزدیک سنن ابن ماجہ۔ بعد کا دور آیا تو صحاح ستہ میں ابن ماجہ کی شمولیت پر اتفاق ہوگیا۔

امام ابن ماجہ کی یہ کتاب چند در چند خصوصیات رکھتی ہے۔ اس میں وہی احادیث لی گئی ہیں جو صحاح کی کتبِ خمسہ میں موجود نہیں۔ جو حدیث درج ہے، تکرار سے پاک۔ بیشتر احادیث مسائل اور احکام سے متعلق ہیں۔ کتاب کی مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ عربی اور اردو میں اس کی کئی شرحیں دستیاب ہیں۔ جن مدارس میں دورۂ حدیث قائم ہے، وہاں اس کتاب کی شمولیت بھی ناگزیر ہے۔

حدیث کی کتاب کوئی بھی ہو، اس کا سمجھنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔ یہ دور انحطاط کا ہے۔ عربی شرحیں طلبہ کی گرفت سے باہر ہیں، اردو شرحیں اولا پوری تیار ہی نہیں، اور جو بھی ہیں، وہ بھی تشنہ لبی

بڑھا دینے والی۔ ایک ایسی شرح، جس میں پوری ابن ماجہ کی حدیثیں زیر بحث ہوں، ندارد تھی۔ یہ میدان خالی تھا۔ الحمد للہ کہ یہ خلا بھی اب پر ہو گیا۔

مولانا غلام رسول منظور القاسمی نے اپنے مرتب قلم سے ابن ماجہ کی تشریح کا بیڑہ اٹھایا اور اسے ساحل مراد تک لے جانے میں کامیاب رہے۔ ہر حدیث پر صحیح اعراب لگایا اور ترجمہ کیا۔ ہر حدیث کی معقول اور قابل قبول تشریح کی۔ اختلافی مسائل پر کھل کر بحث کی۔ جبریہ، قدریہ اور دیگر فرق ضالہ کے عقائد کا بھر پور ابطال کیا۔ خاص بات یہ ہے کہ جو کچھ بھی لکھا ہے، حوالوں اور دلیلوں کی روشنی میں سپرد قلم کیا۔ محولہ کتابوں کے نام اور صفحات بھی درج ہیں۔ کتاب بہترین اور تحقیقی ہے۔ زبان سلیس اور شگفتہ ہے۔ طرز تفہیم سادہ اور دل پسند ہے۔ شرح کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ محدث کبیر حضرت مولانا ریاست علی بجنوری مدظلہ جیسے اہل علم وتحقیق نے اس پر اپنی مہر تصدیق ثبت کی ہے۔ شرح لائق مطالعہ ہے۔ طلبہ کے لئے بھی اور علما کے لئے بھی۔ علم وتحقیق سے تعلق رکھنے والے عام احباب بھی اس سے مستفید ہوسکتے ہیں۔

نام کتاب	فن مضمون نگاری
مصنف	مولانا آفتاب اظہر صدیقی
صفحات	۱۲۰
ناشر	مکتبہ العارف دیوبند

اللہ تعالیٰ نے اپنی بات دوسروں تک پہنچانے اور مافی الضمیر کو ادا کرنے کے جو ذرائع عطا کئے ہیں، ان میں سے ایک تحریر ہے اور دوسری تقریر۔ تقریر کی مشق انجمنوں کے ماتحت کی جاتی ہے، جس میں مسلسل مزاولت انسان کو خطیب بنا دیتی ہے۔ تحریر کے لئے مستقل اساتذہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ ایک اہم اور عظیم الشان فن ہے۔ قلم چلانا کبھی بھی آسان نہیں رہا، پھر اس انداز سے خامہ فرسائی کہ تحریر اپنے قاری کو اپنے سحر میں گرفتار کر لے، بہت مشکل ہے۔ اس کے لئے مشق وتمرین کے علاوہ اساتذہ کی مکمل رہنمائی کی شدید ضرورت ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ استاذ کامل الفن ہوتا ہے، مگر اپنی صلاحیت دوسروں تک منتقل کرنا اس کے لئے مسئلہ رہتا ہے۔ ایسے موقع پر رہنما کتابوں کی شدید ضرورت پیش آتی ہے۔ یہ کتاب اسی ضرورت کی تکمیل کرتی ہے۔

مصنف کتاب مولانا آفتاب اظہر صدیقی جامعہ ہذا کے فاضل ہیں، انہوں نے شستہ اور سلجھے ہوئے انداز میں مضمون نگاری کے اسلوب وآداب کو پیش کیا ہے۔ مضمون نگاری کے شائقین کے لئے یہ ایک اچھا تحفہ ہے۔

ہوا کے دوش پر

محمد رضوان سلمانی

بخاری شریف کا افتتاحی درس

دیوبند۔ 3 اگست: گذشتہ کل دینی ایشیا کی عظیم درسگاہ دارالعلوم وقف دیوبند میں تعلیمی سال نو کا آغاز بخاری شریف کے درس کے ذریعہ کیا گیا۔ دارالعلوم وقف دیوبند کے شیخ الحدیث حضرت مولانا سید احمد خضر شاہ مسعودی مدظلہٗ نے طلبہ کو بخاری شریف کا پہلا درس دیتے ہوئے امام بخاری کی عظمت اور جلالتِ شان بیان کی اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے بخاری شریف کو وہ مقبولیت عطا فرمائی ہے کہ آج بارہ سو سال گزرنے کے باوجود بھی یہ کتاب استناد کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ امام بخاری کا اخلاص ہے۔ امام بخاری فقہ وحدیث میں مجتہدانہ شان کے حامل ہیں۔ انہوں نے ایک ایک حدیث کو درج کرنے سے پہلے طہارت ونظافت اور پاکیزگی کے انتہائی اہتمام کے ساتھ نماز ودعاء کا اہتمام فرمایا اور سولہ سال کی گراں قدر محنت ومشقت کے بعد امت کو یہ عظیم ذخیرۂ حدیث عطا فرمایا، جس میں حضورؐ کی پوری حیات طیبہ کو دین اسلام اور اسلام کے ہر ہر جز کو امت کے سامنے پیش فرمادیا تاکہ آپؐ کی مکمل حیات ہمارے سامنے آجائے، اور اسی کے ساتھ ساتھ اپنے زمانے کے ہنگامہ خیز فرقہائے باطلہ کی تردید بھی مدلل انداز میں فرمائی۔ آج ہر زبان میں تقریباً ڈھائی سو سے زیادہ اس کی شروحات موجود ہیں لیکن اب تک کوئی ایسی کتاب معرض وجود میں نہیں آئی جو اس کے دقائق، مسائل اور حقائق کو حل کرنے کا دعویٰ کرے۔ ابن حجر عسقلانی نے بخاری کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ امت پر آج تک اس کتاب کو حل کرنے کا بوجھ چلا آرہا ہے، خصوصاً اس کے تراجم کو آج تک کوئی بھی حل نہیں کرسکا۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے لکھا کہ بخاری شریف کے جو تراجم بیان کئے جاتے ہیں وہ سب گمان اور خیال ہیں کوئی بھی اس کے تراجم کو کماحقہٗ حل نہیں کرسکا۔ انہوں نے طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ اپنے مسلک کو پختگی سے اختیار کریں، آپ ایک عظیم مسلک سے وابستہ ہیں۔ اس مسلک کا بنیادی وصف اعتدال ہے اور اعتدال کا نام ہی دیوبند ہے۔ انہوں نے طلبہ کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ بخاری شریف کی پہلی حدیث اپنی نیتوں کو خالص کرنے کی جانب متوجہ کرتی ہے۔ آپ قربانیاں دے کر یہاں حصولِ علم کے لئے آئے ہیں، اپنی نیتوں کو علم دین کے لئے خاص کرکے مکمل توجہ وانہماک کے ساتھ لایعنی امور سے کلی اجتناب کرتے ہوئے اپنے مقصد کو پیش نظر رکھ کر حصولِ علم میں مصروف ہوجائیں، اس لئے کہ کامیاب وہی ہے جس کی پیش نظر مقصد ہو۔ آپ کا انتخاب جس ادارہ میں ہوا ہے وہ ادارہ بہت سی عظیم نسبتوں کا حامل ہے، اس عظیم نسبت کو ہمیشہ ملحوظ رکھتے ہوئے اسباق کی پابندی کا اہتمام کریں، اس لئے کہ اسباق کی پابندی تریاق ہے اور غیر حاضری زہر ہے۔ سمندر میں حیات وہلاکت دونوں کے مواقع ہوتے ہیں، آپ یہاں حیات تلاش کرکے کامیابی کے جھنڈے ڈالیں۔ دارالعلوم وقف دیوبند کے مہتمم مولانا محمد سفیان قاسمی نے کہا کہ میں سب سے پہلے نو داخل شدہ طلبہ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں جن کا انتخاب اس عظیم درسگاہ کے لئے ہوا ہے۔

انہوں نے کہا کہ آپ نے جو تعلیم کا حلف لیا ہے اسے پورا کرنے کا عہد کریں۔آج ہندوستان میں اسلامی روایات کی بقا اور اس کا تحفظ اکابرین کی خدمات کا نتیجہ ہے۔ان پاکیزہ روایات کا تحفظ کے لئے اب اپنے کو تیار ہونا ہے۔آج ہمیں جو نعمتیں میسر ہیں وہ اکابرین کی قربانیوں کا نتیجہ ہے۔اب وقت آپ سے قربانیوں کا مطالبہ کر رہا ہے، ہر دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اللہ افراد کو پیدا کرتا ہے۔موجودہ دور کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے اللہ نے آپ کو چنا ہے۔آپ موجودہ تقاضوں کو پورا کر سکتے ہیں۔اس وقت سنجیدہ و متین قیادت ایک خلا ہے، آپ اپنے مستقبل کے لئے منظم منصوبہ بندی کر کے ان منصوبوں کو استحکام بخشیں، اس کے لئے پختہ مطالعہ نہایت ضروری ہے۔اپنے اکابر کے احوال و واقعات کا مطالعہ کریں اور ماضی کی روشنی میں اپنے مستقبل کے عزائم کو جلا بخشیں۔

تحریر و تقریر کی اہمیت ہر زمانے میں مسلم

دیوبند کے معروف دینی و عصری ادارہ جامعہ امام انور محمد شاہ کی زیر نگرانی ہفتہ وار عربی اردو انجمن بزم انور کا افتتاحی اجلاس گزشتہ شب مسجد انور شاہ میں معروف ادیب اور دارالعلوم وقف کے استاد مولانا نسیم اختر شاہ قیصر کی صدارت میں منعقد ہوا، پروگرام کا آغاز محمد حسین مظفرنگر کی تلاوت کلام پاک اور محمد مجیب کی نعت پاک سے ہوا۔اس موقع پر ادارہ کے صدر المدرسین مولانا عبدالرشید بستوی نے اپنے خطاب میں کہا کہ تحریر و تقریر کی اہمیت و افادیت ہر زمانہ میں مسلم رہی ہے، وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی اہمیت مزید اجاگر ہو کر سامنے آ رہی ہے۔انہوں نے طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ تحریر و تقریر میں مہارت پیدا کرنا وقت کی بڑی ضرورت ہے اس سے نہ صرف دنیا میں آپ کو شہرت، عزت اور نیک نامی ملے گی بلکہ آخرت میں بھی آپ کو اعزاز و ثواب ملے گا کیوں کہ دونوں دنیا کی ضرورت ہیں بلکہ دین کی نشر و اشاعت اور علم دین کی فروغ کا اہم ذریعہ بھی ہے۔انہوں نے مزید کہا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی دعوت و تبلیغ کے لئے ان دونوں ذرائع کو اختیار کیا اور ان کے بیش و بہا فوائد بھی حاصل ہوئے۔مولانا نے کہا کہ موجودہ دور میں تربیت کی اہمیت بہت زیادہ بڑھ گئی ہے کیوں کہ علماء تو کثیر تعداد میں پیدا ہو رہے ہیں مگر عمل کے اعتبار سے وہ خصوصیات اور کمال دیکھنے کو نہیں مل رہا ہے جو ہمارے اکابر اور اسلاف کا امتیاز تھا اس لئے ہمیں تربیتی پہلو پر بھی خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے۔مولانا نسیم اختر شاہ قیصر نے اپنے صدارتی خطاب میں کہا کہ جامعہ امام محمد انور میں آپ کے باذوق اور باصلاحیت اساتذہ کی زیر نگرانی عربی و اردو انجمن کے تحت تحریر و تقریر کی مشق کا جو مربوط نظام قائم کیا ہے آپ کو چاہئے کہ اس سے بیش از بیش فائدہ اٹھائیں اس میں بھرپور دلچسپی لیں اور اپنی صلاحیتوں میں جلا پیدا کریں۔انہوں نے کہا کہ اس وقت آپ نے قدر نہ کی اور سستی کا مظاہرہ کیا تو کل شرمندگی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔انہوں نے کہا کہ انجمن کے ناظم اعلیٰ مفتی وصی احمد قاسمی اور معاون مفتی محمد ساجد قاسمی اور مفتی عمر اعجاز قاسمی نہایت مستعد ہیں اور اپنی صلاحیتوں کے حوالے سے ممتاز بھی، اس لئے یقین ہے کہ ان حضرات کی رہنمائی آپ کے لئے بے حد مفید ثابت ہوگی۔مولانا نے علم کی فضیلت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ علم ایسی شئے ہے کہ اس کو سیکھنے کے بعد انسان کہیں پر بھی مایوس نہیں ہوتا اور یہ وقت آپ لوگوں کے لئے بڑا مفید ہے اسی وقت میں آپ لوگ کچھ حاصل کر سکتے ہیں اگر آپ لوگوں نے اس وقت کو کھیل کود میں ضائع کر دیا تو آگے چل کر یہ وقت آپ کے ہاتھوں میں نہیں آئے گا۔اس لئے اس وقت کو غنیمت جان کر اپنے اساتذہ سے استفادہ حاصل کریں اور زیادہ سے زیادہ اپنے اکابرین کی کتابوں کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ انہوں نے کس طریقے پر محنت کر کے ان اونچائیوں کو چھوا ہے۔